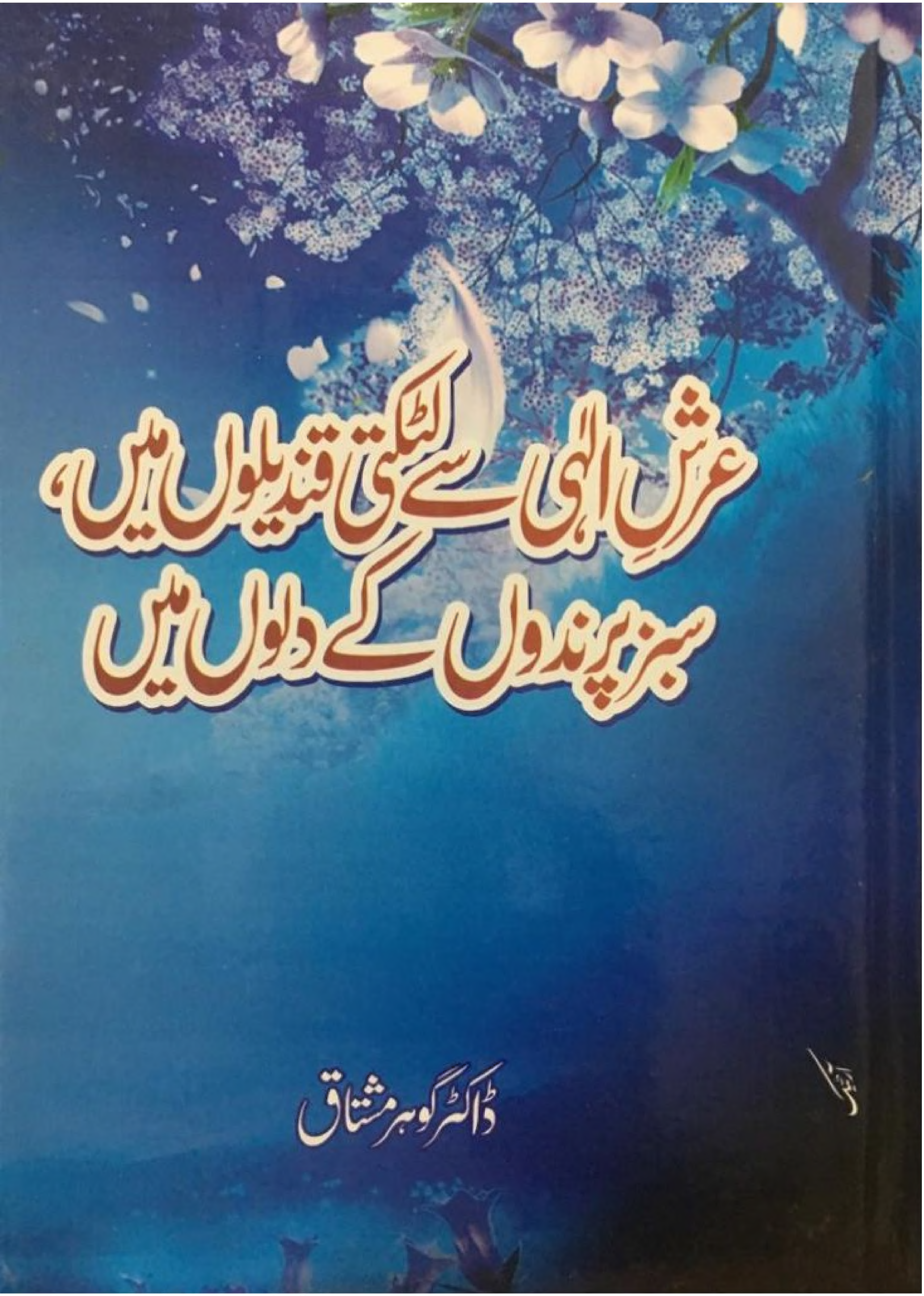
عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں
سبز پرندوں کے ڈولوں میں
ڈاکٹر گوہر مشتاق

عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں،
سبز پرندوں کے دلوں میں

ڈاکٹر گوہر مشتاق

اذان سحر پبلی کیشنز
منصورہ، ملتان روڈ، لاہور فون042-35435667

جملہ حقوق محفوظ ہیں!

نام کتاب	:	عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں
مصنف	:	ڈاکٹر گوہر مشتاق
ناشر	:	عباس اختر اعوان اذان سحر پبلی کیشنز، منصورہ۔ملتان روڈ لاہور
اشاعت	:	ستمبر 2014ء
مطبع	:	راما پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	100 روپے

ملنے کے پتے:

- ......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔5432419
- ......ادارہ مطبوعات طلبہ 1 اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔7553991
- ......دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137
- ......مسٹر بکس، سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون 051-2278843,2278845
- ......اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید، راولپنڈی 051-4830451
- ......ملک اولڈ بک ڈپو، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137
- ......النور اسلامک بکس۔سنگاپور پلازہ۔صدر۔راولپنڈی 5794605
- ......ادارہ تطہیر افکار، جی ٹی روڈ، پشاور۔091-262407
- ......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔1 سرور روڈ نزد سٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

قطر ۃ سمٌ تجعلک طریحاً لا تستطیع فعل اَیَّ شَيِ، فاعلم اَنَّ هَذِهِ الحیا ۃ فانیة لاخیر فیها، وَ اِلَّا لما جعلتک تلک القطرة طریحا، فاختر لنفسک الطریق کي تموت في اَمْرٍ عظیم یجعلک ترفرف في الجنة، واحذراَنْ تموت فِي اَمْرٍ غیر معروف و قد تکون خا تمة سیئة.

''زہر کا ایک قطرہ تمہیں اِس طرح ختم کرسکتا ہے کہ تم کچھ کرنے کے قابل نہ رہو۔ جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی ختم ہو جانے والی ہے، اِس میں کوئی خیرنہیں ورنہ زہر کا ایک قطرہ تمہارا یہ حال نہ کردیتا۔ چنانچہ تم اپنے لیے کسی عظیم کام کی خاطر مرنے کا انتخاب کرلو تا کہ تم جنت کے اعلیٰ ترین مقامات حاصل کرسکو۔ اور گمنامی کی موت مرنے سے بچو اور ایسے معاملے میں مرنے سے بچو جس کا انجام برا ہو۔''

(چیچنیا کے مجاہد کمانڈر ابن خطابؒ شہید)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''موت کے معمے کا حل شہادت کے سوا کچھ نہیں۔''

(علامہ اقبالؒ)

فہرست

☆...... تعارفِ مصنف 8
☆...... باب 1 11
☆...... شہداء کی ارواح، سبز پرندوں کے دلوں میں
☆...... شہداء زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے رزق پا رہے ہیں............16
☆...... شہداء کو دفن کرنے سے پہلے غسل نہیں دیا جاتا 18
☆...... شہادت فی سبیل اللہ، شہداء کے تمام گناہوں کا کفارہ.............. 20
☆...... شہداء کو قبر کے سوالات اور قیامت کے دن کی بے ہوشی
سے نجات مل جاتی ہے 22
☆...... شہداء کو اللہ تعالیٰ خود چنتا ہے 25
☆...... جس پر اللہ کی رحمت کی انتہاء ہو اُسے ہی شہادت ملتی ہے.............. 28
☆...... شہداء کو مرتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی............................ 32
☆...... دعوتِ دین کے کام میں صدیقین اور شہداء کا ساتھ ساتھ ہونا.............37
☆...... باب 2 41
☆...... اللہ کے ہاں امتِ مسلمہ کی عزت افزائی کی وجہ
☆...... جہاد کی وجہ سے قوموں کو عطا کی گئی فضیلت.......................... 41
☆...... اسلام میں خواتین کا جہاد 45
☆...... اسلام کے کاموں میں سب سے چوٹی کا عمل 48

عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں......5

☆...... ہندوؤں کی مذہبی کتاب میں جہاد کے ذریعے مسلمانوں کے تزکیہ کا ذکر 51

☆...... باب 3 53

وہ عوامل جو انسان کو اللہ کے راستے میں قربانی سے روکتے ہیں

☆...... مجھے اپنی زندگی سے محبت ہے 55

☆...... بڑھاپے کی چند عام بیماریاں جن سے کسی کو فرار ممکن نہیں:

.... الزیمر کی بیماری (Alzheimer'sdisease) 60

....جوڑوں کی سوجن اور درد(Arthritis) 61

.... بلڈ پریشر(BloodPressure) 61

.... دل کا دورہ (Heart Attack) 61

.... فالج (Stroke) 62

.... کینسر (Cancer) 62

.... ذیابیطس (Diabetes) 63

.... پراسٹیٹ غدود کا بڑھ جانا (Prostate Enlargement) 63

.... آنکھوں کی بیماریاں 64

.... چہرے اور جسم پر جھریاں 64

.... بڑھاپا اور دوائیوں کے نقصانات 64

☆...... مجھے اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے محبت ہے 66

☆...... مجھے اپنے والدین بہن بھائیوں اور دوستوں سے پیار ہے........ 74

☆...... میں اپنی اچھی تنخواہ والی نوکری اور منافع بخش بزنس کو
نہیں چھوڑ سکتا 76
☆...... مجھے اپنا گھر اور اپنا بنگلہ عزیز ہے 77
☆...... کیا ''نفس کا جہاد'' سب سے بڑا جہاد (جہادِ اکبر) ہے؟
اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ !!! 79
☆...... انسانی نفس کا کالا چور 85
☆...... باب 4 89

☆...... وہ جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

☆...... چیچنیا میں اسلام کی تلوار: کمانڈر ابن الخطاب 91
☆...... قیامت کے روز انسان انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے
وہ محبت کرتا ہے 101
☆...... شیخ عبداللہ العزام: بیسویں صدی میں جہاد فی سبیل اللہ
کا احیاء کرنے والے 102
☆...... یحییٰ سنیور الجدوی کی بے داغ جوانی 112
☆...... یاسین الجزائری کی شادی کی تیاریاں لیکن 116
☆...... ڈاکٹر صالح محمد اللیبی اور دکھی انسانیت کی اصل خدمت.......... 121
☆...... ڈاکٹر ناصر الجزائری اور ڈاکٹری کا پیشہ 127
☆...... ابوسہل المصری کا شہادت سے پچھلی رات کا خواب.............. 131

☆......روس کی خفیہ سروس KGB کے سابق آفیسر اور نومسلم الیگزینڈر لٹوینینکو (Alexander Litvinenko) کی شہادت 132

☆......ابنِ جنت جال افغانی شہید کا اپنے والد سے مصافحہ کرنا 136

☆......شہید کے خون کی خوشبو اُس کی ماں کے ہاتھوں پر 137

☆...... ابو معاذ کویتی سے اُن کی شہادت کے بعد ایک دوست نے خواب میں چند سوال پوچھے 138

☆...... جمال الدین یمنی کی روح کی اللہ سے گفتگو 141

☆...... ابو مسلم ترکی۔ایک سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 142

☆...... صَیَّاد الفلسطینی شہید اور اُس کی عظیم والدہ 145

☆...... شیخ انور شعبان۔بوسنیا کی جنگ میں مسلمانوں کے امام 150

☆...... انجینئر احسن عزیز اور اُن کی بیوی عذرا بتول ترابی کی افطاری کے وقت شہادت 157

☆...... سراقہ الاندلسی کی خراسان کے پہاڑوں کی طرف ہجرت اور شہادت 159

☆......''شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن'' 173

☆...... اِک ستارہ میں تھا ....کہکشاں ہوگیا 179

دیتے رہتے ہیں ۔انگلش اور اردو زبان میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں ۔اُن کی انگریزی کتابوں کی تفصیلات انٹرنیٹ سے حاصل کی جاسکتی ہوں ۔ ڈاکٹر گوہر کی اردو کی کتابوں کی لسٹ درج ذیل ہے:

1......ایک آنکھ والا دجال

2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......انسانی دل اور قبولِ اسلام ۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4......معرکۂ روح وبدن

5......پردہ : عقلمند خواتین کاانتخاب

6......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7......داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8......ویلنٹائن ڈے ۔ بُت پرست رومیوں کاتہوار

9......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد ۔قرآن ،حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... دجالی دور اور مسلم خواتین

14 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟

15 ...... مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ

16 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں

17 ...... تاریخ کا سبق

عامرؓ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص دعا کر رہا تھا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ وہ شخص دعا مانگ رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ آتِنِی اَفْضَلُ مَا تُؤتِیَ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ

''اے اللہ! میں تجھ سے سب سے بہترین چیز کا سوال کرتا ہوں جو تُو اپنے نیک بندوں کو عطا فرماتا ہے۔''

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز ختم فرمائی تو آپ نے پوچھا کہ وہ کون تھا جو دعا مانگ رہا تھا؟ اُس شخص نے کہا: ''یا رسول اللہ! وہ شخص میں تھا''۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِذَا یُعْقَرُ جَوَادُکَ وَتُسْتَشْھَدُ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ''

''پھر تیرا گھوڑا جہاد میں قتل ہوگا اور تجھے شہادت نصیب ہوگی۔''

(صحیح ابن حبان، ابویعلیٰ، بزار، الحاکم)

(امام الحاکم نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرائط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

باب نمبر 1

شہداء کی ارواح، سبز پرندوں کے دلوں میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد کے دن شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی روحیں سبز پرندوں میں داخل فرما دیں۔ وہ جنت میں نہروں میں اُترتے ہیں، جنت کے میوے کھاتے ہیں اور وہ عرشِ الٰہی کے سائے کے نیچے سونے کی قندیلوں (فانوس؛chandeliers) پر بیٹھتے ہیں۔ جب انہوں نے بہترین کھانا پینا اور آرام گاہ پالی تو اُنہوں نے آپس میں کہا کہ کون ہے جو ہمارے بھائیوں کو ہماری خبر دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھا پی رہے ہیں تا کہ دنیا میں ہمارے وہ بھائی جہاد کو نہ چھوڑیں اور لڑائی میں بزدلی نہ دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری خبر اُن تک پہنچا دیتا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آلِ عمران کی یہ آیات نازل فرمائیں ولا تحسبن الذين قُتِلُوْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ امواتا. الى آخره. (ابوداؤد، مستدرک الحاکم) اِس کتاب کا عنوان اِسی حدیثِ مبارکہ سے لیا گیا ہے۔ اِس حدیث سے اور اسی طرح کی دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحیں جنت میں سبز پرندوں میں بیٹھ کر جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ گویا کہ سبز پرندے، شہیدوں کے لیے پرائیویٹ جہاز (Private Jet Cruise) کی طرح ہوتے ہیں جو اُنھیں جنت کے تفریحی

مقامات کی سیر کرواتے رہتے ہیں۔

صحیح مسلم میں بھی ایسی ہی روایت موجود ہے اور دوسری کتابوں میں اِس مفہوم کی دیگر احادیث موجود ہیں۔ مثلاً حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اِس آیت کی تفسیر دریافت کی: ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ'' الآیۃ۔ (سورۃ آلِ عمران) ترجمہ: ''اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔'' تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تفسیر دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا قَالُوا أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذَلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوا مِنْ أَنْ يَسْأَلُوا قَالُوا يَا رَبِّ نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى فَلَمَّا رَأَى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا

(صحيح مسلم. كتاب الامارة. باب بيان أن ارواح الشهداء في الجنة)

''شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں سواری کرتی ہے، اُن کی قرارگاہ (Residence) وہ قندیلیں (فانوس) ہیں جو عرش الٰہی سے آویزاں ہیں، وہ جنت

میں جہاں چاہیں سیر و تفریح کرتی ہیں، پھر لوٹ کر اُنہی قندیلوں میں ٹھہرتی ہیں، ایک بار اُن کے پروردگار نے اُن سے بالمشافہ (directly) خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو؟ عرض کیا: ساری جنت ہمارے لیے مباح کر دی گئی ہے، ہم جہاں چاہیں آئیں جائیں، اس کے بعد اب کیا خواہش باقی رہ سکتی ہے؟ حق تعالیٰ نے تین بار اصرار فرمایا (کہ اپنی کوئی چاہت تو ضرور بیان کرو) جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی نہ کوئی خواہش عرض کرنی ہی پڑے گی تو عرض کیا: اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹا دی جائیں، تا کہ ہم تیرے راستے میں ایک بار پھر جام شہادت نوش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب ان کی کوئی خواہش باقی نہیں، چنانچہ جب یہ ظاہر ہو گیا تو اُن کو چھوڑ دیا گیا۔"

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ. باب بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ)

تو گویا کہ شہید کے جسم سے رُوح کے نکلتے ہی شہداء کی روحیں اتنی اُوپر چلی جاتی ہیں کہ وہ رحمن کے عرش تک پہنچ جاتی ہیں جہاں جنت کے درختوں پر اُن سبز پرندوں کے گھونسلے لٹکے ہوئے ہیں جو جنت کی نہروں سے سیراب ہوتے ہیں، اُس کے پھل کھاتے ہیں اور رحمن کے عرش کے نیچے لٹکی قندیلوں میں لوٹ آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے والوں کو شہید کیوں کہتے ہیں؟ اِس بارے میں علمائے اسلام کے مختلف اقوال ہیں:

1) کیونکہ اُس کے لیے جنت کی شہادت یعنی گواہی دے دی گئی ہے کہ وہ یقیناً جنتی ہے۔

2) اُن کی روحیں جنت میں "شاہد" یعنی حاضر رہتی ہیں کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں جبکہ دوسرے لوگوں کی روحیں قیامت کے دن جنت میں حاضر ہوں گی نضر بن شمیل فرماتے ہیں کہ شہید بمعنی شاہد ہے اور شاہد کا مطلب جنت میں حاضر رہنے والا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے

ہیں کہ یہی قول صحیح ہے ۔(التذکرہ للقرطبی)

3) ابن فارس کہتے ہیں الشھید بمعنی القتیل یعنی اللہ کے راستے میں قتل کیا جانے والا ۔

4) اُس کو شہید اِس لئے کہتے ہیں کیونکہ فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ۔

5) جب اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے شہید کی جان کو خرید لیا اور اُس پر لازم کیا کہ وہ اُس عہد کو پورا کرے تو شہید نے جان دے کر گواہی دے دی کہ اُس نے یہ عہد پورا کر دیا ہے اور اُس کی گواہی اللہ کی گواہی کے ساتھ مل گئی ۔ چنانچہ اللہ کے حضور اپنی جان پر گواہی (شہادت) کی وجہ سے اسے شہید کہا جاتا ہے ۔

6) ابن انبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اُس کے لیے جنت کی بشارت یعنی گواہی دیتے ہیں اسی لیے اسے شہید کہا جاتا ہے ۔

7) شہید کی روح نکلتے وقت اُس کا اجر اور مقام اُس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے اِس وجہ سے اُسے شہید کہتے ہیں ۔

8) اُس کے پاس ایک شاہد (گواہ) ہے جو اُس کی شہادت کی گواہی دیتا ہے اور وہ گواہ خود اُس کا اپنا خون ہے کیونکہ قیامت کے دن شہید جب اٹھے گا تو اُس کی رگوں میں سے خون بہہ رہا ہو گا ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’شہداء جنت کے دروازے پر دریا کے کنارے پر ایک محل میں رہتے ہیں اور اُن کے لیے صبح شام جنت سے رزق لایا جاتا ہے ۔

(مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، المستدرک، صحیح علی شرط مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جب بندے قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی تلواریں گردنوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے، اُن کے جسم سے خون بہہ رہا ہو گا، وہ

جنت کے دروازوں کی طرف دوڑیں گے، پوچھا جائے گا یہ کون (خوش نصیب) ہیں؟ جواب ملے گا یہ شہداء ہیں جو زندہ تھے اور انہیں روزی ملتی تھی۔'' (الطبراني. مجمع الزوائد)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حضرت مصعب زمین پر شہید پڑے تھے، اُس دن انہی کے ہاتھ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيلًا o

(سورۃ الاحزاب: 23)

''ایمان والوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھلایا۔ پھر بعض تو اُن میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا ذمہ پورا کرلیا (شہادت حاصل کرلی) اور بعض اُن میں سے (اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے کے لیے) انتظار کررہے ہیں اور وہ ذرہ (برابر) نہیں بدلے۔''

یہ آیات پڑھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(الحاكم . بيهقى)

''بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے لیے گواہی دیتے ہیں کہ تم قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہداء میں سے ہو۔''

[امام الحاکم نے مستدرک الحاکم (کتاب التفسیر، حدیث 3031) میں اِس حدیث کو بخاری اور مسلم کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے۔]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ،لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگوں تم اُن کے پاس آیا کرو، اُن کی زیارت کیا کرو، اُن کو سلام کیا کرو، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کے دن تک جو بھی انہیں سلام کہے گا یہ اُسے جواب دیں گے۔

(کتاب الجہاد لابن المبارک مرسلاً)

حضرت محمد بن قیس بن مخزمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے، احد کے دن اُن کو کسی نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین پہنچا دیا چنانچہ اب تم سب مسلمان اُن کے دین کے لیے جہاد کرو، پھر وہ تین بار اُٹھے اور ہر بار موت کے منہ تک پہنچے اور بالآخر تیسرے حملے میں شہید ہو گئے۔ جب اُن کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور اپنے (شہداء) ساتھی بھی ملے تو وہ وہاں کی نعمتیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار کیا کوئی قاصد نہیں ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری یہ حالت بتا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا قاصد ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر سورہ ال عمران کی یہ آیات سنائیں: "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" الآیۃ سے آخر تک۔ (اخرجہ امام المنذری فی تفسیرہ)

شہداء زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے رزق پا رہے ہوتے ہیں

علامہ قرطبی اور اکثر علماء کرام فرماتے ہیں کہ شہداء کی زندگی ایک یقینی چیز ہے اور بلا شبہ وہ جنت میں زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ مزید برآں، دوسرے ایمان والوں کی ارواح کے مقابلے میں شہداء کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اُن کے لیے شہادت کے وقت سے جنت

کی روزی جاری کردی جاتی ہےتو گویا کہ ان کے لیے ان کی دنیوی زندگی جاری ہےاور وہ ختم نہیں ہوئی۔ مفسرِ قرآن مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ڈال دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں رہتے ہیں اور وہ کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں۔امام قرطبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قول قرار دیا ہے۔علماء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے لیے ہر سال ایک جہاد کا اجر لکھا جاتا ہےاور وہ اپنے بعد قیامت کے دن تک کے جہاد میں شریک رہتے ہیں۔

شہداء کی زندگی کے متعلق علماء کا ایک قول یہ ہے کہ اُن کے جسم قبر میں خراب نہیں ہوتے اور انہیں زمین نہیں کھاتی، یہی ان کی زندگی ہے۔امام ابن نحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (واللہ اعلم) اُن کے نزدیک شہداء کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کو ایک طرح کی جسمانی زندگی بھی حاصل ہوتی ہے جو دوسرے مُردوں کی زندگی سے زیادہ ممتاز ہوتی ہے اور اُن کی ارواح کو بھی اللہ کے ہاں مختلف مقامات حاصل ہوتے ہیں یعنی اُن کی روحوں کا تعلق اُن کے جسموں سے بھی رہتا ہے اور اُن کی ارواح کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مختلف مقامات ملتے ہیں۔اُن میں سے بعض کی اَرواح سبز پرندوں میں ہوتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتے پیتے ہیں اور عرش کے سائے میں بنی ہوئی قندیلوں میں بیٹھتے ہیں جیسا کہ صحیح احادیث میں بیان ہوا ہےاور شہداء میں سے کچھ جنت کے دروازے کے پاس دریا کے کنارے والے محل میں ہوتے ہیں اور جنت سے صبح اور شام اُن کی روزی آتی ہے جیسا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے اور شہداء میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو فرشتوں کے ساتھ جنت میں اور آسمانوں میں اُڑتے پھرتے ہیں جیسا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے۔اُن کے مقامات کا یہ فرق دنیا میں اُن کے ایمان، اخلاص اور جان دینے کے جذبے کے فرق کی وجہ سے ہوگا۔شہادت سے پہلے جس کا ایمان اور اسلام میں جتنا بلند مقام ہوگا، شہادت کے بعد اللہ کے ہاں اُس کا اتنا ہی بلند مقام ہوگا۔

شہداء کی اسی حیات کو دیکھتے ہوئے کئی علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ چونکہ شہید

زندہ ہے، اس لئے اُس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی ۔ نمازِ جنازہ تو اُن مسلمانوں پر پڑھی جاتی ہے جو مر جاتے ہیں لیکن شہداء کے متعلق تو ربِ ذوالجلال خود فرما رہا ہے کہ وہ زندہ ہیں تو پھر شک کس بات کا (لیکن بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ برکت کے لئے نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی)۔

پس شہداء ہماری نمازِ جنازہ سے بے نیاز ہیں کیونکہ نمازِ جنازہ تو مُردوں پر پڑھائی جاتی ہے ۔ زندہ لوگوں پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جاتی اور شہداء تو قرآن کے مطابق زندہ ہیں:

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (سورہ البقرہ)

''اور جو لوگ فی سبیل اللہ قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تم لوگوں کو اُس (زندگی) کا شعور نہیں۔''

قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کو رزق بھی دیتا ہے (اور رزق تو زندہ لوگ ہی کھایا کرتے ہیں):

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَرَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ٥ (سورہ آلِ عمران)

''اور تم اُن لوگوں کو جو فی سبیل اللہ جان دے دیں مردے خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔''

شہداء کو دفن کرنے سے پہلے غسل نہیں دیا جاتا

اسی طرح علمائے اسلام کے مطابق شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا بلکہ اُن کے خون کے ساتھ انہیں دفن کیا جائے گا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کے

بارے میں فرمایا تھا کہ انہیں اُنکے خون کے ساتھ دفن کردو چنانچہ انہیں غسل نہیں دیا گیا۔

اَنَّا شُهَدَاءَ اُحُدٍ لَمْ يُغَسَّلُوْا، وَدُفِّنُوْا بِدِمَائِهِمْ، وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِمْ

(سنن ابی داؤد، مستدرک للحاکم)

(غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والوں کو غسل نہیں دیا گیا، اُنھیں اُن کے خون آلود کپڑوں میں ہی دفن کیا گیا اور اُن پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی۔)

[امام الحاکم نے مستدرک الحاکم (کتاب التفسیر، حدیث 3031) میں اِس حدیث کو بخاری اور مسلم کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے۔]

یعنی مقامِ شہادت کی بلندی کا اِس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں اللہ کی راہ میں شہادتِ عظمیٰ پا جائیں اور اپنی جان قربان کرنے میں کامیاب ہوجائیں، اُن کے جسم غسل سے بے نیاز ہیں۔ پانی اِس قابل نہیں کہ اُن کے مقدس زخموں پر ڈالا جائے۔ اُن جسموں سے بہتا ہوا خون اور خون سے بھرا ہوا لباس اللہ کو اتنا محبوب ہے کہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ شہیدوں کو اسی ہیئت (Position) اور اسی حالت میں دفن کردو جس حالت میں یہ زمین پر گرے ہیں۔ وہ شخص اب ہماری کوشش کے ذریعے پاک ہونے کا محتاج نہیں رہا۔ شہداء کے جسم پانی سے بے نیاز ہیں۔ وہ ہماری کفن کی چادروں سے بے نیاز ہیں۔

اسی سلسلے میں شہدا کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں لکھتے ہیں:

''طہارتیں اُس پر نچھاور۔ یہ کیا بات ہے کہ پاک سے پاک اور مقدس سے مقدس انسان کی میت کے لیے بھی غسل ضروری ٹھہرا کہ ''اَغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِي ثَوْبَيْنِ'' (صحیح بخاری) مگر شہیدانِ حق کے لیے یہ بات ہوئی کہ اُن کی پاکی شرمندۂ آبِ غسل نہیں ''اَنَّا شُهَدَاءَ اُحُدٍ لَمْ يُغَسَّلُوْا، وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِمْ'' (سنن ابی داؤد، مستدرک للحاکم) بلکہ اُن کے خون میں رنگے ہوئے کپڑوں کو بھی ان

سے الگ نہ کیجیے ''وَ ذَمِّلُوْهُمْ بِدِمَائِهِمْ'' (سنن ابی داؤد، مستدرک للحاکم) اور اسی لباس گلگوں وخلعت رنگین میں وہاں جانے دیجیے، جہاں اُن کا انتظار کیا جا رہا ہے اور جہاں خونِ عشق کے سرخ دھبوں سے بڑھ کر شاید اور کوئی نقش ونگارِ عمل مقبول ومحبوب نہیں۔''

(تذکرہ، مطبوعہ دہلی)

شہادت فی سبیل اللہ، شہداء کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرض کے سوا شہید کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں اللہ کے راستے میں قتل ہو جانا قرض کے سوا ہر گناہ کا کفارہ ہے۔(صحیح مسلم)

لیکن علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ شہید کے لیے قرض کا معاف نہ ہونا ابتداءِ اسلام میں تھا، بعد میں یہ فرمادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اُس کا قرضہ ادا کردے گا۔(مقدمات ابن رشد)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جو قرضہ جنت میں جانے سے روکتا ہے وہ قرضہ ہے جو کسی نے لیا ہو اور اس کے پاس ادائیگی کی گنجائش بھی ہو مگر نہ وہ اُسے ادا کرے اور نہ مرنے کے بعد ادا کرنے کی وصیت کرے یا وہ قرضہ ہے جو بے وقوفی اور اسراف کے کاموں کیلئے لیا ہو اور پھر بغیر اداء کیے مرگیا ہو لیکن اگر کسی نے کوئی حق واجب ادا کرنے کے لئے قرضہ لیا ہو مثلاً فاقے سے بچنے کے لئے یا زیادہ تنگ دستی کی وجہ سے قرضہ لیا اور اس نے ادائیگی کے لئے بھی کچھ نہ چھوڑا ہو تو امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ قرضہ اُس کے لئے جنت سے روکنے کا باعث نہیں بنے گا۔ وہ مقروض چاہے شہید ہو یا غیر شہید کیونکہ مسلمانوں کے حاکم کے ذمے اس طرح کے قرضے اجتماعی

مال سے اداء کرنا لازم ہے۔(التذکرہ القرطبی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کے اِس فرمان کی تصدیق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد کے واقعے سے بھی ہوتی ہے کیونکہ جب وہ غزوہ اُحد کے دن نکلے تھے تو اُن پر قرضہ تھا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو پریشان دیکھا (جو کہ فی الحقیقت اپنے والد کے چھوڑے ہوئے قرضے کی وجہ سے ہی پریشان بیٹھے تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں خوشخبری سنائی کہ تمہارے والد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آمنے سامنے بغیر پردے کے بات کی ہے۔اب اگر قرضہ جنت سے روکنے کا باعث ہوتا ہے تو حضرت جابر بن عبداللہ کے مقروض والد کو اتنا بڑا مقام کیسے ملتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اُن سے گفتگو فرمائی۔اسی طرح حضرت زبیر بن عوامؓ نے شہادت کے وقت بائیس لاکھ درہم کا قرضہ چھوڑا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔مسلمانوں کا ایک دستہ نکلا تو واپسی پر اپنے ساتھ ایک چرواہے کو لے آیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس چرواہے سے اللہ نے جو چاہا بیان فرمایا تو وہ چرواہا کہنے لگا میں آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لاتا ہوں،اب میں ان بکریوں کا کیا کروں، یہ تو میرے پاس امانت ہیں اور ایک ایک دو دو بکریاں مختلف لوگوں کی ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”تم اُن کے چہروں پر کنکریاں مارو، یہ اپنے مالکوں کے پاس چلی جائیں گی“۔اُس نے ایک مٹھی کنکریاں یا مٹی لی اور بکریوں کے منہ پر ماری،وہ بکریاں دوڑتی ہوئی اپنے گھروں کو چلی گئیں۔پھر وہ چرواہا میدانِ جہاد میں آیا جہاں اُسے تیر لگا اور وہ شہید ہوگیا اور اسلام لانے کے بعد اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا کہ وہ شہید ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِسے خیمے میں لے آؤ۔چنانچہ اسے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے خیمے میں لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس گئے اور پھر وہاں سے باہر نکل آئے اور ارشاد فرمایا: ''تمہارے ساتھی کا اسلام بہت خوب رہا، ابھی جب میں اُس کے پاس گیا تو اُس کی دو بیویاں حورعین میں سے اُس کے پاس موجود تھیں''۔

(المستدرک للحاکم، یہ حدیث صحیح ہے)

شہداء کو قبر کے سوالات اور قیامت کے دن کی بے ہوشی سے نجات مل جاتی ہے

احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اسلامی سرحدوں کی پہرے داری کرنے والا (مُرَابِط) قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ جب اُس کے لیے یہ نعمت ہے تو شہید اس نعمت کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہے کیونکہ وہ مرابط سے افضل ہے۔ مرابط کو یہ نعمت اس وجہ سے ملتی ہے کہ وہ اپنی جان اللہ کے راستے میں قربانی کے لیے پیش کرتا ہے تو وہ شخص جس کی جان قبول کر لی گئی ہو وہ اس نعمت کا کس طرح سے مستحق نہیں ہوگا۔

راشد بن سعد کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کو قبر کے فتنے کا سامنا ہوتا ہے سوائے شہید کے کہ اُسے قبر کے فتنے سے نجات مل جاتی ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اُس کے سر پر تلواروں کی چمک اُسے ہر فتنے سے بچانے والی ہے۔'' (نسائی) (آج کے دور میں تلواروں کی چمک سے مراد ڈرون اور فائٹر جہازوں کے میزائلوں اور ڈیزی کٹر بموں کے دھماکے وغیرہ ہیں)

اس حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ قبر میں دو فرشتوں کا آدمی سے سوال کرنا قبر کا فتنہ ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ مومن کے ایمان اور یقین کا امتحان لیا جاسکے، اُس کے ایمان کی جانچ پڑتال کی جاسکے لیکن وہ شخص جو میدان قتال میں نکلتا ہے اور وہ تلواروں کو چمکتا اور کاٹتا، نیزوں

جسموں سے پار ہوتا دیکھتا ہے، فائٹر جہازوں کے میزائلوں اور ڈیزی کٹر بموں کے دھماکے ہوں، ہوا سے آکسیجن چوس لینے والے بم ہوں، اس کے سامنے سر جسموں سے اڑائے جاتے ہیں اور خون کے فوارے بہتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہو کہ آسمان آگ برسا رہا ہو اور زمین لاوا اُگل رہی ہو، ہر طرف مقتول اور زخمی پڑے ہوئے لوگ اسے نظر آتے ہیں مگر پھر بھی وہ میدان میں ڈٹا رہتا ہے اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی بجائے اپنی جان اللہ کو سپرد کرنے کے لئے مکمل ایمان اور یقین کے ساتھ جما رہتا ہے تو یہی اُس کے ایمان کے امتحان کے لیے کافی ہے کیونکہ اگر اُس کے دل میں شک یا تردّد ہوتا تو وہ میدان سے بھاگ جاتا اور منافقوں کی طرح شکوک میں پڑ جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تو ثابت ہوا کہ اُس کا ایمان مکمل اور یقین مضبوط ہے تو پھر ایسے شخص سے مزید کسی پوچھ گچھ کی کیا ضرورت ہے؟

اسی طرح قبر میں فرشتے جو کچھ پوچھتے ہیں شہید تو اُنہی چیزوں کی عظمت اور حفاظت کے لیے جان کی قربانی دیتا ہے اور توحید، رسالت اور دین اسلام کی خاطر مرمٹتا ہے۔ جب اُس کی یہ حالت ہے تو پھر اُس سے قبر میں کسی طرح کی پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مشہور تابعی سعید بن جبیرؒ سے کسی نے سوال کیا کہ سورہ الزمر کی آیت 68 میں جو بتایا گیا ہے کہ صور پھونکے جانے کے وقت زمین و آسمان کی تمام مخلوقات مر جائیں گی سوائے جنھیں اللہ زندہ رکھے تو وہ کون ہوں گے؟ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا:

''وہ لوگ شہداء ہوں گے۔ باقی تمام مخلوقات مر جائیں گی جبکہ شہداء اللہ کے عرش کے گرد تلواریں پکڑے کھڑے ہوں گے۔''

(ابن مبارک، بخاری فی تاریخ الکبیر، طبری فی تفسیر)

امام سیوطی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ امام ذہبی نے بھی اس روایت کو مستند قرار دیا ہے (الحاکم)

اِس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے ولی اللہ لوگ دراصل شہداء کرام ہوتے ہیں۔ اِس سے بڑا مقام ولایت اور کوئی نہیں۔ اِن حقیقی اولیائے کرام یعنی شہیدوں کی اللہ تعالیٰ ایسی عزت افزائی کرتا ہے کہ قیامت کے روز جبکہ سورج سوا نیزے پر ہوگا اور ہر شخص اللہ کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہوگا عین اُس وقت شہداء کرام حضرات، اللہ جل شانہ' کے عرش کے گرد تلواریں پکڑے کھڑے ہوں گے۔ کیا اِس سے بڑھ کر بھی کوئی کامیابی ہوسکتی ہے؟

سعید بن جبیرؒ کے اِس اثر کی تائید مستدرک الحاکم میں روایت کی گئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے:

عن ابی هریرة عن النبی اَنَّهُ سَاَلَ جِبریل عَن هٰذِهِ الْاٰیة: وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ (الزمر: ٦٨) مَن هُم الَّذِیْنَ لَمْ یَشَاءُ اللّٰهُ اَنْ یَصْعَقَهُمْ؟ قَالَ جِبْرِیْلُ: هُمْ شُّهَدَاءَ اللّٰهِ .

(رواه الحاكم في المستدرك)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے جبریلؑ سے سورہ الزمر کی آیت (اور جس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہے سوائے اُن کے جنھیں اللہ زندہ رکھنا چاہیے) کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جو صور کی آواز سے بچ جائیں گے (یعنی مریں گے نہیں)۔ جبریلؑ نے فرمایا: ''وہ اللہ کے راستے میں کیے گئے شہید ہوں گے''۔

امام حاکم نے **مستدرک الحاکم** (2/253) میں اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

شہداء کو اللہ تعالیٰ خود چُنتا ہے

آج مسلمان اللہ کے راستے میں جان دینے سے بھاگتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُن میں جذبہ جہاد سرد پڑ چکا ہے۔اور اِس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ذلت و مسکنت مسلمانوں پر مسلط کردی ہے۔آج دنیا میں سب سے سستا خون جس قوم کا ہے وہ مسلمان قوم ہی تو ہے۔

مسلمان آج یہ بات بھول گئے ہیں کہ اللہ کے راستے میں شہادت تو اللہ تعالیٰ کا ایک خاص تحفہ (gift) ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عنایت فرماتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی بڑا اعزاز (honour) ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اگر کسی کو منتخب کرلے تو اُسے سب سے بڑی کامیابی حاصل ہوگئی۔قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ٥ (سورہ آلِ عمران: آیت140)

''یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔تم پر یہ وقت اِس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سے سچے مومن کون ہیں اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کے لیے چھانٹ (Select) لینا چاہتا تھا۔''

اِس آیت میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ ہیں وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کے رتبے کے لیے چن لینا چاہتا تھا یعنی کچھ لوگوں کو شہادت کی عزت بخشنا چاہتا تھا۔تو گویا شہادت اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے اور انعام سے بھاگنا نہیں چاہیے۔

تاریخ شاہد ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کو اِس عزت افزائی کا بخوبی علم تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے لیے بھی شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی دعا کے یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِیّ اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ

''اے اللہ میں تیرے راہ میں شہادت کا طلبگار ہوں۔''

آپ نے کتنے ہی غزوات میں شرکت کی گو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت نہ نصیب ہوئی کیونکہ آپؐ کا مقام تو شہداء سے بھی بلند ہے۔ ویسے بھی قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَاوَ رُسُلِیْ ﴾ (المجادلۃ:21)

''اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔''

دراصل نبی اور رسول کا سب سے اہم فرق ہی یہ ہے کہ نبی تو کفر کی طاقتوں کے ہاتھوں قتل بھی ہو جاتے ہیں لیکن رسولوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ (بخاری۔ کتاب الامانی)

''میرے دل میں بڑی آرزو اور بڑی تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔''

اسی طرح عمرؓ بن خطاب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی الشَّھَادَۃَ فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ

''اے اللہ! میں تیری راہ میں شہادت پانے کی التجا کرتا ہوں اور تیرے رسولؐ کے

شہر (مدینہ) میں مرنے کی دعا مانگتا ہوں۔''

بڑے بڑے علماء اور اولیاء اللہ، حضرت عمرؓ والی یہ دعا اپنے لئے اللہ سے رو رو کر مانگا کرتے ہیں کیونکہ انھیں اِس نعمت کی قدر تھی ۔شہداء کی یہ عزت افزائی کی جاتی ہے۔تب ہی تو اُن کا دنیا میں بار بار آ کر اللہ کے راستے میں شہید ہونے کا جی چاہتا ہے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت میں پہنچ جانے کے بعد کوئی شخص بھی نہیں چاہے گا اور نہیں پسند کرے گا کہ اُس کو پھر دنیا میں اِس حال میں واپس کر دیا جائے کہ دنیا کی ساری چیزیں اُس کی ہوں (وہ سب کا مالک ہو) البتہ جو راہِ خدا میں شہید ہو کر جنت میں پہنچے گا، وہ اِس کی آرزو کرے گا کہ اُس کو پھر دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور وہ پھر (ایک دفعہ نہیں) دس دفعہ فی سبیل اللہ شہید کیا جائے۔وہ یہ آرزو اِس لئے کرے گا کہ وہ جنت میں دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہیدوں کا کیسا انعام واکرام ہے۔'' (بخاری ومسلم)

یعنی اگر مائیکروسافٹ کے بانی Bill Gates (جس کا شمار دنیا کے امیر ترین انسانوں میں ہوتا ہے) یا ایپل (Apple Corporation) کے موجد آنجہانی سٹیو جابز (Steve Jobs) کو بھی اللہ ھدایت عطا کرے اور جنت میں داخل کرے تو اُن کی یہ خواہش نہ ہو گی کہ وہ دوبارہ دنیا میں جائیں اور دنیا کے امیر ترین انسان بنیں۔جنت کے محلوں، باغوں، درختوں، پھلوں، دودھ کی نہروں، حوروں، وغیرہ کو چھوڑ کر دنیا میں واپس جانے کا کس کا دل چاہے گا؟ لیکن اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے کا معاملہ سب سے مختلف ہے۔اُن کی خواہش جنت میں بھی ہو گی کہ وہ واپس دنیا میں جائیں اور اللہ کے راستے میں جان دے دیں۔

جس پر اللہ کی رحمت کی انتہاء ہوا ُسے ہی شہادت ملتی ہے

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہؓ کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جس پر اللہ کی رحمت کی انتہاء ہوا ُسے شہادت ملتی ہے۔ مثلاً رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی کو یہ دعا دی ہے کہ ”اللہ اس پر رحم کرے“ تو اکثر اوقات ایسا ہوا کہ اسے شہادت ملی۔ ایسا لگتا کہ اللہ کا سب سے بڑا رحم و کرم ہی یہ ہے کہ انسان کو شہادت مل جائے۔

صحیح مسلم میں حضرت سلمہؓ بن اکوع سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام رات سفر کرتے رہے۔ اثنائے سفر میں ایک شخص نے عامرؓ بن اکوع سے کہا کہ عامر ہم کو کچھ سناؤ گے نہیں؟ عامرؓ شاعر آدمی تھے اور اُن کا دل جوش ایمان سے لبریز تھا۔ وہ سواری سے اُتر کر یہ نشید سنانے لگے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
وَنَحْنُ مِنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
فَاغْفِرْ فِدًا لَكَ مَا اَبْقَيْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

ترجمہ: ”اے اللہ اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے ہم نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔
اور ہم لوگ آپ کے فضل سے بے نیاز نہیں ہیں۔ اے اللہ ہم لوگوں پر اطمینان نازل فرما۔ جب تک ہم زندہ ہیں تجھ پر فدا ہوں۔
اور ہم جب دشمنوں کے مقابلے پر آئیں تو ہمیں ثابت قدمی نصیب کر۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمعِ مبارک میں اُن کی آواز پڑی تو پوچھا: ''یہ حدی خوان (نظم پڑھنے والا) کون ہے؟

لوگوں نے کہا: ''عامر بن اکوع''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَرْحَمُهُ اللّٰهُ ۔ (اللہ اُس پر رحم فرمائے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر لوگوں کو یقین ہوگیا کہ عامرؓ کو شہادت نصیب ہوگی ۔ کتنی دلچسپ بات ہے کہ صحابہ کرامؓ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو انفرادی طور پر اللہ کے اُس پر رحم کرنے کی دعا کی تو اُس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ شخص شہید ہوگا ۔ ایسا لگتا ہے کہ شہادت اور اللہ تعالیٰ کے رحم کا آپس میں بہت ہی گہرا تعلق ہے ۔ چنانچہ عمرؓ بن خطاب نے آپؐ سے فرمایا:

وَجَبَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ. لَوْلَا مَتَّعْتَنَا بِهٖ

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اب تو یہ بات لازم ہوگئی ہے ۔ کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عامرؓ بن اکوع کی موجودگی سے کچھ مزید فائدہ اٹھانے دیتے (کیونکہ اب تو وہ لازمی طور پر شہید ہوجائیں گے)۔''

الطبقات الكبير لابن سعد، البدايةو النهاية حافظ ابن كثير، السيره النبويه ابن هشام

جب غزوۂ خیبر شروع ہوئی تو عامر بن اکوع نے شجاعت کے جوہر دکھائے ۔ بالآخر یہودیوں کے مشہور جنگجو مرحب سے مقابلہ کرتے ہوئے عامر بن اکوع شہید ہوگئے اور یوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عامرؓ کے لئے کی گئی ''اللہ تعالیٰ کے رحم کرنے کی دعا'' قبول ہوگئی ۔

اسی طرح ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک میں حضرت عائشہ ؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور رات کا وقت تھا۔ اتنے میں مسجدِ نبویؐ سے کسی کی تلاوت کرنے کی آواز آئی ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا کہ یہ کس کی آواز ہے؟

عائشہ صدیقہ ؓ نے حجرے کی کھڑکی سے دیکھ کر بتایا کہ یہ عباد بن بشرؓ (صحابی رسولؐ) ہیں ۔

آپؐ نے فرمایا: رَحِمَ اللّٰہُ عِبَادَ بِن بِشر (عباد بن بشرؓ پر اللہ رحم کرے)

(صحیح بخاری)

چنانچہ عباد بن بشرؓ انصاری کو جنگِ یمامہ میں 632ء میں شہادت نصیب ہوئی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد سے قبل عباد بن بشرؓ نے پندرہ برس کی عمر میں مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ قرآن سے آپ کو خاص شغف تھا یہاں تک کہ آپ کو قرآن کا دوست کہا جاتا تھا۔ آپ نے بہت سے غزوات میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے ۔ جنگِ یمامہ میں عباد بن بشر نے انصارِ مدینہ کو جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی فوج پر حملہ کرنے کے لئے اُبھارا اور اپنی تقریر کے بعد اپنی تلوار کے میان کو توڑ دیا اور دشمن کی صفوں پر بھرپور انداز میں حملہ کیا۔ اُس جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عباد بن بشرؓ کے لئے اللہ کے رحم کی دعا کے اثر سے عباد بن بشرؓ کو شہادت نصیب ہوئی ۔

اسی ضمن میں حضرت عمرؓ بن خطاب کے ساتھ کلیب بن بکیر لیثیؓ کی شہادت کا قصہ بھی بڑا اہم ہے ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں حضرت عمرؓ بن خطاب کی شہادت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا آخری حج ادا کیا تو اُس کے بعد آپؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی:

''الٰہی! میری رعیت زیادہ ہوگئی اور پھیل گئی ہے ۔ مجھے ایسی حالت میں اپنے پاس بلا لیجئے کہ میں نہ عاجز ہوا ہوں اور نہ تباہ شدہ ۔''

پھر آپ مدینہ واپس آ گئے تو آپ سے ذکر کیا گیا کہ ایک مسلمان عورت جنگل میں مر گئی تھی ، وہ زمین پر مری پڑی رہی اور لوگ اُس کے پاس سے گزرتے رہے ، کسی نے نہ اُس کو کفن پہنایا اور نہ کسی نے اُس کو دفن کیا یہاں تک کہ اُس پر ایک خدا ترس شخص کا گزر ہوا تو وہ اُس کے پاس ٹھہر گیا یہاں تک کہ اُس کو کفن پہنایا اور دفن کیا ۔ یہ پورا حال آپؓ سے بیان کیا گیا تو آپؓ نے پوچھا کہ مسلمانوں سے کون لوگ اُس کے پاس سے گزرے تھے تو لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمر بھی اُن لوگوں میں تھے جو اُس کے پاس سے گزرے تھے ، تو آپؓ نے عبداللہ کو بلایا اور فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ تو ایک مسلمان عورت کے پاس سے جس کی لاش ایک کھلے راستہ پر پڑی ہوئی تھی گزرا اور تو نے نہ اُس کو دفن کیا اور نہ اُس کو کفن پہنایا ۔ عبداللہ بن عمر نے اپنے والد سے کہا کہ نہ مجھے خود معلوم ہوا اور نہ مجھ سے کسی نے اُس کا ذکر کیا ۔ تب آپؓ کو اطمینان ہوا اور آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہو گیا تھا کہ تجھ میں خیر نہ رہی ہو ۔ پھر حضرت عمر بن خطاب نے پوچھا کہ اُس کو کس نے دفن کیا اور کفنایا تو لوگوں نے بتایا کہ کلیب بن بکیر لیثیؓ نے ۔ تو آپؓ نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ! کلیب بن بکیر لیثی کو کوئی بڑی خیر (نعمت) عطا فرما دے ۔''

اُس کے بعد عمرؓ نکلے اور اپنا دُرہ لئے ہوئے صبح کی نماز کے لئے لوگوں کی صفیں سیدھی کرنے لگے تو اُن پر کافر ابو لولو نے قاتلانہ حملہ کیا اور اُس نے آپ کے اوپر تین وار کئے (پیڑو اور ناف کے درمیان) اور اُس کے بعد جب راستے میں کلیب بن بکیر لیثیؓ آئے تو اُن پر بھی اپنے چاقو سے وار کئے جس سے وہ موقع پر شہید ہو گئے ۔ لوگ چیخ پکار مچانے لگے تو ایک شخص نے ابو لولو کے سر پر برساتی ڈالی اور اُس کو بغل کے نیچے سے نکال کر

کھینچ لی اور عمرؓ کو اُٹھا کر اُن کے مکان پر لایا گیا اور لوگوں کو نماز عبد الرحمٰن بن عوف نے پڑھائی اور عمرؓ سے نماز کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اِس حالت میں نماز پڑھی کہ اُن کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اور فرمایا کہ جس نے نماز نہ پڑھی اُس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔''

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، جلد چہارم)

اِس واقعے میں ایک غور طلب بات یہ ہے کہ عمرؓ بن خطاب کو جب حضرت کلیب بن بکیر لیثیؓ کے متعلق پتہ چلا کہ اُنھوں نے ایک لاوارث عورت کو کفایا دفنایا تو آپؓ نے کلیبؓ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: ''اے اللہ! کلیب کو کوئی بڑی خیر (نعمت) عطا فرما دے۔'' اللہ تعالیٰ نے عمر بن خطاب کی دعا قبول فرمائی اور کلیب کو شہادت جیسی عظیم نعمت عطا فرما دی۔

یہ درست ہے کہ مقامِ صدیقیت، مقامِ شہادت سے بھی بلند ہے اور صدیقین کا معاملہ رسولوں سے ملتا جلتا ہوتا ہے جبکہ شہداء کا معاملہ انبیاء سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ آپ غور کریں تو چار خلفائے راشدینؓ میں سے تین کو شہادت نصیب ہوئی یعنی عمرؓ بن خطاب، عثمانؓ ذوالنورین اور علیؓ بن ابی طالب بلکہ پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیزؒ کو بھی شہادت نصیب ہوئی۔ یہ اللہ کا رحم ہی تو ہے کہ عشرہ مبشرہؓ صحابہ (جن کو دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدی تھی) میں سے آدھے سے زیادہ شہداء ہیں۔ اُن میں تین خلفاء راشدین کے علاوہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو شہادت نصیب ہوئی اور چھٹے صحابی حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی موت طاعون سے ہوئی جبکہ وہ جہاد کے لیے نکلے ہوئے تھے، اِس لیے وہ بھی شہید ہیں۔

شہداء کو مرتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی

درد سے بچنا (Pain avoidance) انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ انسان کے متعلق

قرآن میں آتا ہے:

﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴾

(سورہ المعارج:20-19)

''انسان تھڑ دلا (anxious) پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے۔''

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ درد سے گھبراتا ہے لیکن مرنے کے وقت اُسے درد (pain of death) کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ کی خاطر اپنی جان کی بازی لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو مرنے کی اُس تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

مَایَجِدُ الشَّہِیْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ، اِلَّا کَمَا یَجِدُ اَحَدُکُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ (ترمذی، کتاب الجمعہ، ابواب السفر ۔ صحیح ابن حبان)

''راہِ خدا میں شہید ہونے والا قتل کیے جانے کے وقت بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔''

[ابوھریرہؓ کی روایت کردہ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ امام بغویؒ نے معالم التنزیل میں اور امام دارمیؒ نے سنن دارمی میں اس حدیث کو الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب لڑائی شروع ہوجاتی ہے اور صبر نازل ہوتا ہے تو مجاہد کے لیے قتل ہونا گرمی کے دن ٹھنڈا پانی پینے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔'' (شفاء الصدور)

عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں......34

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''موت کا درد تلوار کی دس لاکھ ضربوں سے زیادہ سخت اور فلاں پہاڑ کو سر پر اٹھانے سے زیادہ بھاری ہے اور یہ موت شہید پر اور مظلوم قتل کئے جانے والے پر مچھر کے کاٹنے کے درد سے بھی زیادہ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہر رات سحری کے وقت آواز لگاتا ہے: ''اے قبر والو! تم کسی پر رشک کرتے ہو؟'' وہ کہتے ہیں شہید پر اور شہید ہر روز دوبار اپنے رب عزوجل کی زیارت کرتا ہے، اُسے نہ دنیا کی رغبت ہوتی ہے اور نہ اُس کے چھوٹنے کا غم۔'' (ابن عساکر)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شہید کے لئے جنت سے بہت حسین جسم لایا جاتا ہے اور اُس کی روح کو اُس جسم میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ شہید اُس جسم میں داخل ہو کر اپنے پرانے جسم کو دیکھتا ہے کہ اُس کے ساتھ کیا اچھا اور کیا برا کیا جا رہا ہے اور کون اُس پر غمگین ہوتا ہے اور کون غمگین نہیں ہوتا اور وہ باتیں کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ لوگ اُس کی بات سن رہے ہیں اور وہ اُن کی طرف دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ بھی اُسے دیکھ رہے ہیں۔ پھر اُس کی بیویاں حور عین آجاتی ہیں اور اُسے اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔'' (شفاء الصدور)

شہادت کی موت کی اِس آسانی کی خبر ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، جن سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں۔ اِس بات کی تصدیق بہت سے واقعات سے بھی ہوتی ہے۔

امام غزالی کی کتاب مجموع اللطائف میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے اللہ! میری روح اِس طرح نکالنا کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔''

ایک دن وہ اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا کہ وہ تھک گیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے لیے وہ سو گیا۔ اتنے میں کچھ کفار اُس کھیت میں آ نکلے اور انھوں نے اُس شخص کی تلوار سے گردن اُڑا دی۔ بعد میں اُس کے ایک دوست نے اُسے خواب میں دیکھا اور اُس سے پوچھا کہ اُس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ اُس شخص نے جواب دیا: ''پتہ نہیں۔ میں اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا اور پھر میں آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ پھر میری آنکھ کھلی تو میں جنت میں تھا۔''

[بحوالہ: مشارع الاشواق الی مصارع العشاق۔ابوزکریا الدمشقی الدمیاطی ابن نحاس (المتوفی 814ھ) دارالبشائر الاسلامیہ۔ بیروت۔2002ء]

اسی طرح عبداللہ بن مبارکؒ اپنی کتاب الجهاد (مطبوعہ دار المطبوعات الحدیثة) میں دو مسلمان قیدیوں کا قصہ بیان کرتے ہیں جنھیں ایک غیر مسلم سردار نے اسلام کو چھوڑنے کی دھمکی دی۔ جب انھوں نے انکار کیا تو اُس سردار نے اُن دونوں مسلمان قیدیوں کو ایک بڑی دیگ میں پھینک دیا، جس میں تین روز سے تیل اُبل رہا تھا۔ حرارت کی شدت کی وجہ سے بہت جلد اُن کی ہڈیاں گوشت سے اُتر کر تیل کے اوپر تیرنے لگیں۔ بعد میں اُن کے بھائی نے انھیں خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ اُن پر کیا گزری تو اُنھوں نے جواب دیا: ''جوں ہی ہم نے اُبلتے تیل میں پہلی ڈبکی کھائی تو ہمیں سیدھا جنت الفردوس (سب سے اعلیٰ جنت) میں پہنچا دیا گیا۔''

[کتاب الجهاد، عبداللہ بن مبارکؒ، مطبوعہ دار المطبوعات الحدیثة]

جب اپریل 1992ء میں بلقان میں جنگ چھڑی تو بوسنیا کے مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ ذبح کیا گیا اور عورتوں حتیٰ کہ چھوٹی لڑکیوں تک کی بری طرح سے عصمت دری کی گئی۔ 1992ء سے 1995ء کے درمیان پوری دنیا سے بعض غیرت مند مسلمان بوسنیا کے مسلمانوں

کا دفاع کرنے اور جہاد کرنے کے لیے گئے جن میں سے بعض شہید ہوگئے۔ اُنہی میں ایک ابومنذر الیمنیؒ بھی تھے۔ جولائی 1995ء میں سربوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اُن کے سر پر گولی لگی، جس سے وہ شہید ہوگئے۔ اگلے روز اُن کے ایک ساتھی نے اُنھیں خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا تو ابو منذر الیمنی نے جواب دیا: ''ہم جنگل میں تھے اور ہر طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور ہم نے مورچے میں اپنے سر نیچے کیے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا سر اونچا کیا تا کہ میں دیکھوں کہ فائرنگ کہاں سے ہو رہی ہے اور بنکر کس طرف ہے۔ جب میں دیکھ رہا تھا تو اگلے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ میں جنت میں گھوم رہا ہوں۔''

[بحوالہ: سبز پرندوں کے دلوں میں۔ بوسنیا کے شہداء۔ عزام ریکارڈنگ۔ لندن]

اسی طرح ابوعمر الحربیؒ ایک نوجوان تھے جن کا تعلق مدینۃ المنورۃ سے تھا۔ سربوں (Serbs) کے خلاف ایک آپریشن میں یہ دستے کے کمانڈر تھے۔ حملہ کرنے کی جگہ نہایت خطرناک تھی کیونکہ وہاں بارودی سرنگوں کا جال بچھا ہوا تھا اور سرب آسانی سے اپنی طرف آنے والے دشمن کو دیکھ سکتے تھے۔ ابوعمر الحربی نہایت بہادری سے آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ایک سرب فوجی کی گولی ابوعمر کے ماتھے پر لگی اور وہ اسی وقت شہید ہوگئے (ان شاءاللہ)۔ کچھ روز کے بعد چند ساتھیوں نے اُنھیں خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کا معاملہ کیا ہوا؟

ابوعمر الحربیؒ نے جواب دیا: ''شہادت سے ایک روز پہلے جب ہم بنکر میں حملے کا انتظار کر رہے تھے تو مجھے نیند آگئی اور جنابت لاحق ہوگئی۔ پہاڑوں میں میرے لئے ممکن نہیں تھا کہ میں غسل کرتا جبکہ میں اپنے دستے کا امیر بھی تھا۔ چنانچہ میں نے تیمم کر کے نماز پڑھی اور حملے کے لیے نکل پڑا۔ جب مجھے گولی لگی تو مجھے کچھ درد نہیں ہوا۔ بس مجھے اپنے ماتھے پر کچھ چبھن کا احساس ہوا اور دو (2) روشنی کے وجود (یعنی فرشتے) مجھے کاندھے سے پکڑ کر فوراً آسمان کی طرف پرواز کرنے لگے اور راستے میں ہی اُنھوں نے مجھے غسل دے دیا۔''

ابوعمر الحربی ؒ کے دوستوں نے بتایا کہ خواب میں اُنھوں نے محسوس کیا کہ ابوعمر کا چہرہ حیرت انگیز طور پر چمک رہا تھا (غالباً فرشتوں کے غسل دینے کی وجہ سے)۔

[بحوالہ: سبز پرندوں کے دلوں میں ۔بوسنیا کے شہداء۔ عزام ریکارڈنگ ۔ لندن]

دعوتِ دین کے کام میں صدیقین اور شہداء کا ساتھ ساتھ ہونا

قرآن میں سورہ التحریم میں دو بدترین خواتین یعنی حضرات نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی مثال دینے کے بعد دو مثالی اور عظیم خواتین کا ذکر کیا گیا ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَاَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِندَكَ بَيْتاً فِيْ الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْن o وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ o (سورہ التحریم)

''اور اہل ایمان کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ، فرعون کی بیوی مثال پیش کرتا ہے جبکہ اُس نے دعا کی: 'اے میرے رب، میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اُس کے عمل سے بچالے اور ظالم قوم سے مجھ کو نجات دے۔' اور عمران کی بیٹی مریمؑ کی مثال دیتا ہے جس نے اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اُس کے اندر اپنی طرف سے رُوح پھونک دی، اور اُس نے اپنے رب کے ارشادات اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔''

ان آیات میں اللہ کے راستے میں ہونے والی ایک شہیدہ یعنی حضرت آسیہؑ (فرعون کی بیوی) کا ذکر ہے اور ایک صدیقہ یعنی حضرت مریمؑ کا ذکر ہے۔ دنیا کی معرکہء ایمان و مادیت کی تاریخ کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہر دعوتِ دین کی تاریخ میں صدیقین اور شہداء

پیش پیش ہوتے ہیں۔ ہر تحریکِ اعلائے کلمۃ الحق کے سابقون الاولون دراصل صدیقین اور شہداء ہی ہوتے ہیں۔ اِس آیت میں حضرت مریمؑ کا ذکر ہے جنھیں صدیقیت کا یہ مرتبہ اُس لیے ملا کہ اللہ نے اُنھیں جس شدید آزمائش میں ڈالنے کا فیصلہ فرمایا تھا، اُس کے لئے انہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ حضرت مریم کے سوا دنیا میں کسی شریف اور نیک لڑکی کو کبھی ایسی سخت آزمائش میں نہیں ڈالا گیا کہ کنوارپنے کی حالت میں اللہ کے حکم سے اُس کو معجزے کے طور پر حاملہ کر دیا گیا ہو اور اُسے بتایا گیا ہو کہ اُس کا رب اُس سے کیا خدمت لینا چاہتا ہے۔ جب حضرت مریمؑ نے اِس پر کوئی واویلا نہ کیا بلکہ ایک سچّی مومنہ کی حیثیت سے وہ سب کچھ برداشت کرنا قبول کر لیا جو اللہ کی مرضی پُوری کرنے کے لیے برداشت کرنا ناگزیر تھا، تب اللہ نے اُن کو سیدۃ النساء فی الجنۃ (مسند احمد) کے مرتبہ عالی پر سرفراز فرمایا۔

اسی طرح حضرت آسیہؑ کا خاوند فرعون دنیا کا بدترین کافر تھا لیکن پھر بھی آسیہؑ نے اپنے ایمان کی حفاظت کی۔ جب فرعون کو اُن کے ایمان لانے کی خبر ہوئی تو اُس نے انھیں شہید کر ڈالا لیکن اُس عظیم عورت کے قدم نہ ڈگمگائے اور اُس نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔

تاریخ میں سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کے گروہ میں صدیقین اور شہداء ہمیشہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اُن کا ذکر ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ سورہ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيقًا ۝ (سورہ النساء: 69)

"جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق

جو کسی کو میسر آجائیں۔''

صدیق سے مراد وہ شخص ہے جس میں حق ہر سمت میں کمال درجہ پر ہو، جب ساتھ دے تو حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے اور جس چیز کو حق کے خلاف پائے اُس کے مقابلہ پر ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور ذرا کمزوری نہ دکھائے۔ مقام صدیقین دراصل سابقون الاولون کا مقام ہوتا ہے (A-graders) اور بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔اِس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرزِ عمل سے شہادت دے اور اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دیکر یہ ثابت کردے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا (یعنی اعلائے کلمۃ الحق) اُس کو واقعی حق سمجھتا تھا اور اُسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اُس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اُس نے دریغ نہ کیا۔ شہداء فی سبیل اللہ کا شمار بھی سابقون الاولون (A-graders) میں ہوتا ہے۔صالح سے مراد وہ شخص ہے جو نیک مسلمان ہو، وہ صحیح اسلامی عقیدے پر قائم ہو، اپنی نیت اور اقوال و افعال میں راہ راست پر قائم ہو اور اپنی زندگی میں نیک رویہ رکھتا ہو۔ صالحین کا شمار اصحاب الیمین (D and C graders) میں ہوتا ہے۔

سورہ الحدید میں بھی صدیقین اور شہداء کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُوْلٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ﴾ (سورہ الحدید:19)

''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی صدیق ہیں۔اور شہداء کے لیے اُن کے رب کے ہاں اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے۔''

یہی چیز ہمیں اسلامی تاریخ میں بھی نظر آئے گی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مصاحب یعنی سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور عمرؓ بن خطاب میں سے ایک صدیق تھے اور ایک

شہید ۔اِس کی تائیدصحیح بخاری کی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ انَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صعد اُحدا ، و ابو بکر و عمر و عثمان، فرجف بھم، فضربہ برجلہ، فقال: اثبت اُحد، فاِنما علیک نبی و صدیق و شھیدان ۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ،ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ اُحد کے پہاڑ پر کھڑے تھے کہ اچانک اُحد کا پہاڑ لرزنے لگ گیا تو نبی اکرمؐ نے اُس پر زور سے پاؤں مارا اور فرمایا: ’’اے اُحد! ٹھہر جا۔تیرے اوپر ایک رسول ،ایک صدیق اور دو شہداء کھڑے ہیں ۔ (صحیح بخاری)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے ساتھ جن دو صحابیوں کی قبریں ہیں اُن میں بھی ایک صدیق ہے اور ایک شہید (یعنی آپ کے دونوں مصاحب سیدنا ابو بکر صدیق ؓ اور عمرؓ بن خطاب)۔ قیامت کے روز حوضِ کوثر پر یہ دونوں مصاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے لوگوں کو آبِ کوثر کے پیالے پیش کر رہے ہوں گے۔تو گویا حوضِ کوثر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں ایک صدیق اور ایک شہید کھڑا ہوگا۔اسی طرح ہم عشرہ مبشرہ (یعنی دس صحابہ کرام جنہیں دنیا میں ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دے دی تھی) پرنظر ڈالیں تو اُن میں سے چھ شہداء ہیں (حضرات عمر،عثمان ،علی،طلحہ،زبیر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم اجمعین) جبکہ چار صدیقین ہیں ۔ یہی چیز دورِ تابعین اور بعد کی تاریخ میں بھی دیکھنے میں آتی ہے ۔مثلاً سید احمد بریلوی شہید کے دو دستِ راست تھے :مولانا عبدالحی ؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ ۔مولانا عبدالحی ؒ کو مقام صدیقیت نصیب ہوا جبکہ شاہ اسماعیل شہید ؒ کو مقامِ شہادت (اِن شاء اللہ)۔ تو گویا صدیقین اور شہدا دعوتِ دین کے کام میں ہمیشہ صفِ اول میں ہوتے ہیں اور قیامت کے روز ’’کیسے اچھے ہیں یہ ساتھی جو کسی کو میسر آجائیں ۔‘‘

باب نمبر 2

اللہ کے ہاں امتِ مسلمہ کی عزت افزائی کی وجہ

جہاد کی وجہ سے قوموں کو عطا کی گئی فضیلت

جہاد کی وجہ سے صرف انفرادی طور پر انسانوں کو ہی نہیں بلکہ پوری پوری قوموں کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ۔ بنی اسرائیل انسانی تاریخ میں پہلی قوم ہیں جن پر جہاد فرض کیا گیا تھا ورنہ اُن سے پہلے کے نبیوں کی مخالفت کرنے والی اقوام کے لوگوں پر آسمانی عذاب نازل ہوتے تھے مثلاً جب مسلسل 950 سال تک تبلیغ کے باوجود حضرت نوحؑ کی قوم اُن پر ایمان نہ لائی تو اُن پر اللہ کا عذاب ایک عظیم سیلاب کی صورت میں آیا جیسا کہ قرآن میں ہمیں بتایا گیا ہے:

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا

بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْماً عَمِينَ ٥ (سورۃ الاعراف : 64)

"آخر کار ہم نے اُسے (نوح علیہ السلام) اور اُس کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور اُن لوگوں کو ڈبو دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا، یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔"

جب لوط علیہ السلام کی قوم نے اُن کی نبوت کا انکار کیا اور خدا پر ایمان نہ لائے تو اُن پر پتھروں کی بارش ہوئی جس سے اُنھیں نیست و نابود کیا گیا:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ٥ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِباً إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ٥ (سورۃ القمر : 33,34)

"لوطؑ کی قوم نے تنبیہات کو جھٹلایا اور ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا اُن پر بھیج دی۔ صرف لوط کے گھر والے اُس سے محفوظ رہے۔"

اسی طرح قوم عاد نے جب حضرت ھود علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اُن کو ایک بڑی طوفانی آندھی جیسی خدائی آفات سے ہلاک کیا گیا اور قوم ثمود نے اُن کی طرف بھیجے گئے رسول حضرت صالح علیہ السلام کا انکار کیا اور اللہ کی نشانی والی اونٹنی کو مار ڈالا تو ایک سخت زلزلے اور دھماکے سے اُن کو ہلاک کر کے انسانیت کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیا گیا:

فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ٥ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ٥ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُوماً فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ٥ (سورۃ الحاقۃ : 7-5)

"پس ثمود ایک سخت حادثہ سے ہلاک کئے گئے۔ اور عاد ایک بڑی طوفانی آندھی

سے تباہ کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس (طوفانی آندھی) کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن اُن پر مسلّط رکھا۔ (تم وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہ اِس طرح پچھڑے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔"

اسکے برعکس، فرعون اور اُس کے لشکر کے پانی میں ڈوب جانے کے بعد جب بنی اسرائیل آزاد ہو کر صحرائے سینا میں آئے تو اُن پر جہاد فرض کیا گیا اور اسی جہاد کی اُن پر فرضیت کی وجہ سے اُنھیں دنیا کی اُس وقت کی باقی تمام قوموں پر فضیلت عطا ہوئی:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ o (سورہ البقرہ:122)

"اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت، جس سے میں نے تمھیں نوازا تھا اور یہ کہ میں نے تمھیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔"

اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو یہ فضیلت یاد کروائی:

﴿ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (سورہ الاعراف:140)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔"

چنانچہ بنی اسرائیل کی قوم نے حضرت یوشع بن نونؑ کی قیادت میں پہلا جہاد کیا۔ بعد کی نسلوں میں جب اُنھوں نے جہاد کو بھلا دیا تو اُن پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی۔ پھر یہ سعادت مسلمان اُمت کے حصے میں آئی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ o (سورہ اٰلِ عمران:110)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں

لایا گیا ہے۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"
اب چونکہ اُمتِ مسلمہ کو جہاد کی وجہ سے یہ فضیلت عطا کی گئی اس لئے سورۃ التوبہ میں آندھیوں طوفانوں کو نہیں بلکہ مسلمانوں کو یہ حکم ہوا کہ وہ مشرکین اور کفار کو سزا دیں:

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ٥ (سورۃالتوبہ: آیت14)

"اِن (کفار) سے جہاد کرو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے اِن کو سزا دلوائے گا اور اِنھیں ذلیل وخوار کرے گا اور اِن کے مقابلے میں تمھاری مدد کرے گا اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا۔"

آج جبکہ مسلمان اُمت اِس اہم ذمہ داری کو بھلا کر زیادہ سے زیادہ دنیا سمیٹنے اور اپنے معیارِ زندگی (Level of living) بڑھانے کی جدوجہد میں لگ گئی ہے تو اُن پر بھی بنی اسرائیل کی طرح ذلت ومسکنت سوار کردی گئی ہیں اور اللہ کے عذاب کا کوڑا برس رہا ہے۔موجودہ زمانے میں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا میں سب سے سستا خون یہودی یا عیسائی کا نہیں بلکہ مسلمان کا ہو چکا ہے۔آج مسلمانوں کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں دنیا کی زندگی سے زیادہ محبت کیوں ہوگئی ہیں؟ آج مسلمانوں کے دلوں میں "وھن" کی بیماری کیوں پیدا ہوگئی ہیں: وَهَنْ یعنی حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ (دنیا سے محبت اور موت سے نفرت)؟ حالانکہ ہم تو اُس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں کہ جس نے فرمایا تھا کہ اگر ایک مسلمان کی زندگی میں "جہاد اور صدقہ" نہیں تو وہ مسلمان جنت میں کیسے داخل ہوسکتا ہے؟ مُسند احمد میں بشیر ابن الخصاصیة السدوسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"حضرت بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بیعتِ اسلام کے لئے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی علیہ السلام نے میرے سامنے شرائط بیعت بیان فرمائیں یعنی

اِس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں، اور یہ کہ میں نماز قائم کروں، زکوٰۃ ادا کروں، فرض حج کروں، ماہ رمضان کے روزے رکھوں اور راہِ خدا میں جہاد کروں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! دو چیزوں کی تو بخدا مجھ میں طاقت نہیں ہے ایک جہاد اور دوسرا صدقہ، کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص میدانِ جنگ سے پشت پھیرتا ہے وہ اللہ کے غضب کے ساتھ واپس آتا ہے، مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر میں کسی جنگ میں حاضر ہوں اور میرا نفس ڈر جائے اور میں موت کو ناپسند کرنے لگوں (تو اللہ کی ناراضگی میرے حصے میں آئے گی) اور جہاں تک صدقہ (زکوٰۃ) کا تعلق ہے تو بخدا میرے پاس تو صرف چند بکریاں اور دس اونٹ ہیں جو میرے گھر والوں کی سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں۔ یہ سُن کر:

فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم يده ثم حرك يده ثم قال فلا جهاد ولا صدقة فلم تدخل الجنة؟

'اُس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور تھوڑی دیر بعد اپنے ہاتھ کو ہلا کر فرمایا: نہ جہاد اور نہ صدقہ؟ تو پھر جنت میں کیسے داخل ہو گے؟'

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں بیعت کرتا ہوں، چنانچہ میں نے اُن تمام شرائط پر بیعت کر لی۔" (مسند احمد حدیث نمبر ۲۲۲۹۸)

اسلام میں خواتین کا جہاد

اسلام نے مردوں اور عورتوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ اسلام نے مردوں پر دشمن کے خلاف میدانِ جنگ میں جہاد فرض کیا ہے اور اُن پر معاشرے میں **امر بالمعروف ونهي عن المنكر** کی ذمہ داری ڈالی ہے تو عورتوں کے لیے سب سے مقدس ذمہ داری بچوں

کی پیدائش، اُن کی پرورش اور فیملی کی دیکھ بھال رکھی ہے اور اسی کو اُن کا جہاد قرار دیا ہے۔

عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَاِنَّهُ جِهَادُكُنَّ (مسند احمد)

''اے خواتین! تم گھروں میں رہو کیونکہ (امورِ خانہ داری اور بچوں کی اسلامی پرورش) یہی تمہارا جہاد ہے۔''

[مسند احمد، مسند العشرۃ و المبشرین بالجنۃ۔ اس کے علاوہ امام ابن قتیبہ نے اس حدیث کو عیون الاخبار (جلد۴، صفحہ۷۵) میں بھی روایت کیا ہے۔]

مسلمان عورت کا گھر میں اپنی خدمات انجام دینا جہاد ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت زچگی میں فوت ہو جائے وہ شہیدہ ہے:

اَلْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجَمْعٍ شَهِيْد (مسند احمد 315/5)

''جو عورت زچگی کے دوران فوت ہو جائے وہ شہید ہے۔''

[اس حدیث کو ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔]

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنُّفَسَاءُ يَجُرُّهَا وَلَدُهَا بِسُرَّةٍ اِلَى الْجَنَّةِ (مسند احمد)

''جو عورت بچہ پیدا کرنے کے بعد نفاس کے دور (Postpartum period) میں فوت ہو جائے تو اُس کا بچہ اُسے ناف کی کورڈ (نال) (Umbilical cord) سے کھینچ کر جنت میں لے جائیگا۔''

[یہ حدیث امام احمد نے مسند میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے (المسند 489/3) اسی

سے ملتی جلتی روایات امام ابو داؤد (482/3) اور امام مالک (233/1) نے بھی روایت کی ہیں۔]

اِن احادیث کا صاف مطلب یہ ہے کہ گھر ہی عورت کا اصل میدانِ جہاد ہے۔ جو عورت اپنے گھر کے محاذ پر ڈٹی رہے گی اور اپنی ڈیوٹی بطریق احسن ادا کرے گی اُس کی حیثیت اُس مردِ مجاھد فی سبیل اللہ کی سی ہے جو میدانِ جہاد میں گیا ہوا ہے یا معاشرے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

گھر میں عورت کے امورِ خانہ داری کو جہاد کے برابر قرار دینا در اصل اسلامی عبادات میں اُس کو سب سے اونچا مقام دینا ہے۔ یاد رہے کہ امورِ خانہ داری سے مراد صرف کچن میں رہ کر کھانا پکانا اور میلے کپڑے دھونا ہی نہیں ہوتا جبکہ باقی ٹائم ٹی وی یا انٹرنیٹ پر صرف ہو جائے۔ ایک دیانت دار مسلمان خاتون پوری جانفشانی سے اپنے بچوں کو دینِ اسلام کی خدمت کے لیے تیار کرتی ہے۔ اپنے خاوند کو اللہ کے راستے میں جد و جہد کے لئے اُبھارتی ہے۔ گھر میں تلاوتِ قرآن اور علمائے اسلام کی تقاریر اکثر لگائے رکھتی ہیں اور پورے دن جو کچھ تفسیرِ قرآن واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سیرت کی کتابوں میں سے پڑھتی ہے، جب اُس کا خاوند شام کو گھر واپس آتا ہے تو اُس کے ساتھ پورے دن کی علم کی باتوں پر گفتگو (Discussion) کرتی ہے۔ اِس طرح سے جب بچوں کے کانوں میں اسلامی باتیں پہنچتی ہیں تو وہ صحیح معنوں میں "قال اللہ وقال الرسول" کے ماحول میں پرورش پاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ مسلمان خاتون اپنے خاندان کی دوسری خواتین کو حق بات کی نصیحت اور بُرے کاموں سے روکنے کا فریضہ بھی انجام دیتی رہتی ہے تاکہ وہ خواتین اپنا قیمتی وقت خاندانی سیاستوں اور غیبتوں میں ضائع نہ کریں بلکہ دینِ اسلام کی خدمت میں صرف کریں۔ جو مسلمان خواتین اپنے بچوں کی پرورش کی ذمہ داری سے فارغ ہو چکی ہوتی

ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اپنے خاندان کی خواتین اور پھر محلے کی خواتین میں درسِ قرآن اور تفسیر کے حلقے منعقد کرائیں۔

اسلام کے کاموں میں سب سے چوٹی کا عمل

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یوں نصیحت فرمائی:

اَنَّ قِوَامَ هٰذَا الْاَمْرِ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَاَنَّ ذُرْوَةَ السَّنَامِ مِنْهُ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد)

''جس عمل سے دین کی بندش مضبوط رہتی ہے وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا ہے اور اسلام کے اُونچے اُونچے کاموں میں سب سے چوٹی کا عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''

[امام ترمذیؒ نے اِس حدیث کو حسن صحیح کا درجہ دیا ہے۔]

حضرت ابو ہریرہؓ ایک حدیث روایت کرتے ہیں جس میں ایک شخص نے رسول اللہ سے ایک وادی میں بیٹھ کر (گوشہ نشین ہوکر) ذکر و فکر کرنے اور اپنے نفس کا جہاد کرنے کی اجازت مانگی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب پر آپ ذرا غور فرمائیں:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال مَرَّ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صلی الله عليه وسلم بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِن مَاءٍ عَذْبَةٌ فَاَعْجَبَتْهُ لِطِيْبِهَا فَقَالَ: لَوْ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِي هٰذَا الشِّعْبِ وَلَنْ اَفْعَلَ حَتّٰى اَسْتَاْذِنَ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی الله عليه وسلم فَقَالَ "لَا تَفْعَلْ، فَاِنَّ مُقَامَ اَحَدِكُمْ فِي سَبِيْلِ اللهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ سَبْعِيْنَ عَامًا، اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ

وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ ؟ اِغْزُوْا فِي سَبِيْلِ اللهِ ، مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. (ترمذی)

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کا ایک گھاٹی پر گزر ہوا۔ اُس میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ یہ جگہ انہیں بے حد پسند آئی اور اُن صحابی نے یہ تمنا کی کہ کاش میں لوگوں سے جدا ہو کر اِس گھاٹی میں رہتا۔ لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر کبھی ایسا نہیں کرونگا۔ پس جب اُن صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بات کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ایسا نہ کرنا اس لیے کہ تم میں سے کسی کا ایک مرتبہ جہاد کے لیے کھڑے ہونا، اُس کے اپنے گھر میں ستر سال تک نماز پڑھنے سے بہتر ہے، کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی بخشش فرمائیں اور تمہیں جنت میں داخل کریں۔ لہٰذا تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جس نے '' فَــوَاقَ نَــاقَةٍ '' (یعنی اونٹنی کے دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان کا فاصلہ) کے برابر بھی جہاد کیا اُس پر جنت واجب ہوگئی۔''

[امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی نے بھی صحیح الترمذی (1348) میں اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔]

تمام فقہاء کرام اِس بات پر متفق ہیں کہ قرآن وحدیث میں جب کبھی ''فــي سبيـل الله '' کی اصطلاح عمومی طور پر بولی جائے تو اُس سے مراد ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

''جب في سبيل الله کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے۔''

(حاشیہ صحیح البخاری لابن جوزیؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ:

مَا اَغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ . (صحیح بخاری)

''جس بندے کے قدم اللہ راستے میں غبار آلود ہوئے اُسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔''

مزید برآں، حجرے یا خانقاہ میں بیٹھ کر چالیس سال تک عبادت کرنے سے بھی دل کا وہ تزکیہ حاصل نہیں ہوسکتا جو دل کا تزکیہ اللہ تعالٰی کے راستے میں قتال کرنے اور معاشرے میں برائی کے خلاف جہاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث مبارکہ میں درج ذیل واقعہ بیان ہوا ہے:

عَسْعَس ابن سلامۃ، یَقُوْلُ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ فِی سَفَرٍ، فَفَقَدَ رَجُلاً مِنْ اَصْحَابِہٖ، فَقَالَ: اِنِّی اَرَدْتُ اَنْ اَخْلُوَ الْجَبَلَ وَاَتَعبد، قَالَ فَلاَ تَفْعَلْ وَلَا یَفْعَلْہُ اَحَدٌ مِنْکُمْ، فَلَصَبْرُ سَاعَۃٍ فِی بَعْضِ مَوَاطِنِ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ اَرْبَعِیْنَ عَاماً خَالِیًا .

(شعب الایمان ج۹ ص۳۵۸)

''سیدنا عسعس بن سلامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء میں سے ایک شخص کو نہ پایا (تو جب اُن کو ڈھونڈ کر لایا گیا تو) وہ صحابی کہنے لگے کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ کسی پہاڑی پر خلوت اختیار کر کے اللہ تعالٰی کی عبادت کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم

ایسا نہ کرو اور نہ کوئی اور تم سے ایسا کرے، اسلام کے معرکوں میں سے کسی معرکے میں تمہارا ایک گھڑی ڈٹ کر لڑنا تنہائی میں چالیس سال کی عبادت سے افضل ہے۔''

[امام البیهقی کےعلاوہ مسند الحارث (647/2) میں امام حارث بن ابی الاسامۃ نے اور مسند الطیالسی میں محدث ابو داؤد الطیالسیؒ نے اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔]

ہندوؤں کی مذہبی کتاب میں جہاد کے ذریعے مسلمانوں کے تزکیہ کا ذکر

جہاد کے ذریعے انسانی نفس کا تزکیہ مسلمانِ امت کی اتنی بڑی خصوصیت (Prominent quality) ہے کہ پرانی مذہبی کتابوں میں بھی اِس کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً بھاوشیا پوران، ہندوؤں کی ساڑھے تین ہزار سال پرانی کتاب ہے جس کی اٹھارہ جلدیں ہیں۔ بھاوشیا پوران میں لکھا ہے:

"A malicha foreigner will come...His followers will be men circumicised, without a tail (on the head), keeping the BEARD, creating a revolution announcing the Azaan (the Muslim call for prayer) and will be eating all lawful things. They will eat all sorts of animals except swine. They will not seek purification from the holy shurbs, but will be purified thorugh warfare. On account of their fighting the irreligious nations, they will be known as Musalmaans"

(Bhavishya Puran, Pratisarag Parv III, Khand 3, Adhay 3, Slokas 10-27)

''ایک غیر ملکی آئے گا۔ اُس کے ماننے والے مردوں کے ختنے ہوئے ہوں گے۔ سروں پر چٹیا نہ ہوگی۔ داڑھیاں رکھے ہوئے ہوں گے۔ اذان کہہ کر انقلاب برپا

کریں گے (مسلمان نماز میں اذان کہتے ہیں اور جہاد میں بھی تکبیر کا نعرہ ''اللہ اکبر'' لگاتے ہیں) اور جائز اور حلال چیزیں کھائیں گے۔ وہ ہر قسم کے جانوروں کو کھائیں گے سوائے سور کے۔ وہ اپنے آپ کو پاک صاف کرنے کیلئے مقدس شراب نہیں پئیں گے بلکہ وہ جہاد کر کے پاکیزگی حاصل کریں گے۔ بے دین اور لامذہب قوموں سے جنگ کرنے کے باعث وہ لوگ 'مسلمان' کے نام سے جانے جائیں گے''۔(بھاوشیا پوران)

آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ ہندوؤں کی مقدس کتاب میں بھی مسلمان اُمت کے متعلق کئی ہزار سال پہلے یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ اس اُمت کا تزکیۂ نفس، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے ہوگا۔ ایسے ہی لوگ صحیح روحانیت کے علمبردار ہوں گے اور ایسے ہی لوگ مسلمان کہلائے جانے کی اصل مستحق ہوں گے۔ تو آج کسی حجرے میں چھپ کر یا اپنے ڈرائنگ رُوم میں بیٹھ کر یا ختم پر ختم پڑھوا کر تزکیۂ نفس کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں نے نفس کا تزکیہ کرنے کے اصل عمل کو ہی چھوڑ دیا ہے تو اُن کا تزکیۂ نفس کس طرح ہو؟

باب نمبر 3

وہ عوامل جو انسان کو اللہ کے راستے میں قربانی سے روکتے ہیں

اب ہم اُن نفسیاتی عوامل کا تجزیہ کرتے ہیں جو مسلمانوں کے شعور یا لاشعور میں کام کرتے ہوئے اُنھیں اللہ کی راہ میں جد وجہد کرنے اور سب کچھ قربان کر دینے سے روکتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے جو مسلمان اللہ کے راستے میں دشمنوں سے جہاد اور معاشرے میں برائی کو روکنے کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے جی چراتے ہیں، اُس میں ایک تو اُن کے اپنے نفس کا دخل ہے اور دوسرا شیطان اُن کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ مثلاً درج ذیل حدیث سے شیطان کے وسوسوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

عَنْ سَبرَۃ بن اَبِی فَاکِہ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وسَلَّمَ یَقُولُ: اِنَّ الشَّیْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِاَطْرَقِہٖ ، فَقَعَدَ لَہٗ بِطَرِیقِ الْاِسْلَامِ ، فَقَالَ لَہٗ : اَتُسْلِمُ وَتَذَرُ دِیْنَکَ وَدِینَ آبَائِکَ وَآبَاءِ اَبِیکَ؟

قَالَ : فَعَصَاهُ فَاَسْلَمَ ، ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْهِجْرَةِ ، فَقَالَ : اَتُهَاجِرُ وَتَذَرُ اَرْضَكَ وَسَمَائَكَ وَاِنَّمَا مَثَلُ الْمُهَاجِرِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي الطِّوَلِ ، قَالَ : فَعَصَاهُ فَهَاجَرَ ، قَالَ : ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْجِهَادِ ، فَقَالَ لَهُ : هُوَ جَهْدُ النَّفْسِ وَالْمَالِ فَتُقَاتِلُ فَتُقْتَلُ فَتُنْكَحُ الْمَرْاَةُ وَيُقَسَّمُ الْمَالُ ، قَالَ : فَعَصَاهُ فَجَاهَدَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ مِنْهُمْ ، فَمَاتَ ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، اَوْ قُتِلَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ

(مسند احمد بن حنبل، مُسْنَدُ الْعَشْرَةِ وَ الْمُبَشَّرِينَ بِالْجَنَّةِ)

ترجمہ: ’’شیطان، انسان (ابنِ آدم) کے اسلام لانے کے راستے میں بیٹھا اور اُس سے کہا: ’’کیا تو مسلمان ہونے لگا ہے اور اپنے پرانے دین کو اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنے لگا ہے؟ لیکن ابنِ آدم نے شیطان کی بات نہ مانی اور اسلام قبول کرلیا۔ پھر شیطان ہجرت کے راستے میں بیٹھا اور اُس نے انسان سے کہا: کیا تو ہجرت کرلے گا اور اپنا گھر اور اپنی زمین چھوڑ جائے گا؟ اور مہاجر کی مثال اُس گھوڑے کی طرح ہے جو اپنے زور (Stamina) میں ہوتا ہے۔ پس انسان نے شیطان کی بات نہ مانی اور ہجرت کرلی۔ پھر شیطان، انسان کے جہاد کرنے کے راستے میں بیٹھا اور اُسے کہا: ’’اب کیا تو جہاد کرنے چلا ہے جبکہ جہاد تیری جان کو تھکائے گا اور مال کو خرچ کرائے گا؟ تو اس راستے میں قتل ہو جائے گا اور تیری بیوی دوسری شادی کرلے گی اور تیری دولت دوسرے لوگوں میں تقسیم ہو جائے گی؟‘‘ لیکن انسان نے شیطان کی بات نہ مانی اور جہاد کے لیے نکل پڑا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جس شخص نے بھی ایسا کیا اور اُسے موت آگئی تو اللہ تعالیٰ لازماً اُسے جنت میں داخل کردیگا اور اگر وہ شخص اللہ کے راستے میں قتل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ لازمی طور پر اُسے جنت میں داخل فرمادے گا۔"

مسند احمد کی اِس حدیث کی سند کو حسن کا درجہ حاصل ہے۔اِس کے علاوہ امام بیہقی نے شعب الایمان (باب سادس والعشرون) میں اِس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان نے اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اِس حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیطان، انسان پر کس طرح کے نفسیاتی حربے استعمال کرتا ہے۔پھر انسان کا اپنا نفس بھی دنیا کی زندگی اور اُس کی چیزوں سے جھوٹی امیدیں وابستہ کر بیٹھتا ہے۔

ذیل میں چند نفسیاتی عوامل پیش کیے جاتے ہیں جو انسان کو اللہ کے راستے میں قتال کرنے اور معاشرے میں برائیوں کے خلاف جہاد کرنے سے باز رکھتے ہیں:

مجھے اپنی زندگی سے محبت ہے

جو مسلمان اللہ کے راستے میں قربانی دینے کے لیے تیار نہیں اور معاشرے میں برائی کو روکنے کے لیے جدوجہد کے لیے تیار نہیں، اُس کی ایک نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ اُنھیں اپنی زندگی سے پیار ہوتا ہے۔اُنھیں اچھے اچھے اور لذیذ کھانے کھانا پسند ہوتے ہیں۔اُنھیں ٹی وی کے آگے بیٹھ کر ڈرامے اور کھیلیں (میچ) دیکھنا پسند ہوتا ہے۔وہ موت سے ڈرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں "وھن" کی بیماری کے متعلق بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو کَرَاهِيَةُ الْمَوْت یعنی موت سے نفرت ہوجائے گی۔

مغربی ماہر نفسیات مائی ہیلی (Mihaly Csikszentmihalyi) اپنی کتاب "The Evolving Self" میں لکھتا ہے کہ انسانی دماغ کا رجحان ہمیشہ مایوسی کی طرف ہوتا ہے اور وہ ہر وقت اپنے فنا کے خوف کا شکار (mortally phobic) رہتا ہے:

"The brain itself never truly falls completely asleep.... The brain is mortally phobic. It is always concerned about its survival." (1)

''انسانی دماغ کبھی بھی مکمل طور پر نہیں سوتا ......انسانی دماغ کو موت کا شدید خوف رہتا ہے۔ اسے ہر وقت اپنی بقا کی فکر لاحق رہتی ہے۔''

1) Csikszentmihalyi, Mihaly (1993). The Evolving Self. New York, HarperCollins.

انسانی دماغ کے برعکس، انسانی دل کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ امریکی ماہر نفسیات پال پیئرسل (Paul Pearsall) اپنی کتاب "The Heart's Code" میں لکھتا ہے کہ انسانی دل موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ اُس کا میلان عشق کی طرف ہوتا ہے۔ دل زیادہ حساب کتاب میں نہیں پڑتا اور دل کے سوچنے کا طریقہ دماغ کی طرح پیچیدہ نہیں ہوتا بلکہ سیدھا سادہ ہوتا ہے۔ (2)

2) Pearsall, Paul Ph.D. (1998). The Heart's Code. New York, Broadway Books.

اسی حقیقت کو اقبال نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے:

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

انسان اپنی زندگی سے محبت کرتا ہے اور زندگی میں بھرپور لطف حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے حالانکہ وہ بھول جاتا ہے کہ آخر اُس کی زندگی کتنی لمبی ہو سکتی ہے؟ حدیث نبوی میں آتا ہے:

اَعْمَارُ اُمَّتِی مَابَیْنَ السِّتِّیْنَ اِلٰی سَبْعِیْنَ وَاَقَلُّهُمْ مَنْ یَجُوْزُ ذٰالِکَ

(ترمذی۔ابن ماجہ)

''میری امت کی عمریں (ages) ساٹھ (60) اور ستر (70) سالوں کے درمیان ہونگی اور بہت کم لوگ اِس سے زیادہ عمر پائیں گے۔''

[امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے جبکہ امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔امام حاکم نے صحیح مسلم کی شرائط پر اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔]

یعنی زیادہ سے زیادہ ساٹھ (60) یا ستر (70) سال جی کر آخر مرنا بہرحال ہے جس سے اب تک کوئی نہیں بچ سکا کیونکہ:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ (سورہ آل عمران:185)

''ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔''

مزید برآں،انسان کی عمر تو لکھ دی گئی ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ كِتَاباً مُّؤَجَّلاً ﴾

''کوئی ذی روح اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا۔موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔''

(سورہ آل عمران:145)

پھر ہمیں یہ بھی جان لینے چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں جہاد کے متعلق فرمایا ہے کہ انسان کے غموں اور پریشانیوں (stress) کو دُور کرتا ہے یعنی یہ عمل تو دراصل "Stress-reliever" ہے جس کا مطلب ہے کہ اس سے زندگی لمبی ہوتی ہے:

جاهدوا فی سبيل الله فان الجهاد فی سبيل الله باب من ابواب الجنة، يُنَجِّیَ اللهُ به من الهم والغم.

(رواہ الحاکم وصححہ ووافقہ الذھبی)

''اللہ کے راستے میں جہاد کرو، کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اُس کے ذریعے اللہ تمھیں غم وحزن سے نجات دیتا ہے۔''

[امام الحاکم نے اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے اور امام الذھبی نے حاکم کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔]

پھر یہی نہیں بلکہ جیسے ہی جوانی ڈھلتی ہے تو ہر انسان پر اُسکا بڑھاپا اپنی تمام تر جلوہ طرازیوں کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ جو لوگ زندگی سے شدید محبت کرتے ہیں اُن میں سے اکثر بڑھاپے میں آ کر زندگی سے تنگ آجاتے ہیں کیونکہ جسم میں دنیا کے لطف حاصل کرنے کی سکت ہی نہیں رہتی۔ بڑھاپے کو قرآن نے اَرْذَلِ الْعُمَرُ کہا ہے:

﴿وَاللهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾

(سورہ النحل: آیت 70)

''اور دیکھو، اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ حق یہ ہے کہ اللہ ہی علم میں بھی کامل ہے اور قدرت میں بھی۔''

جو شخص جوانی میں کبھی دوسروں کو عقل سکھاتا تھا، وہ بڑھاپے میں گوشت کا ایک لوتھڑا بن کر رہ جاتا ہے جسے اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ بڑھاپے کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے بڑھاپے میں قیدِ تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں جہاں بوڑھے لوگ لمبی عمر پاتے ہیں وہاں انسان کے بڑھاپے کا حسرت ناک انجام واضح طور پر دیکھا جاسکتا

ہے۔مثلاً شکاگوٹرائیبیون(Chicago Tribune)نے 1998ء میں یہ رپورٹ شائع کی تھی کہ امریکہ کے اولڈ ہومز کے بوڑھے رہائشیوں میں سےتقریباً 60 فیصد بوڑھوں سے ملنے کے لئے کوئی نہیں آتا۔چونکہ یہ حقیقت ہے کہ مغربی ممالک میں بوڑھے لوگوں کی عمریں کافی لمبی ہوتی ہیں اس لئے وہ بوڑھے لوگ اپنی جوانی بھرپورانداز میں بسر کر کے اپنی زندگی کے آخری دس یا بیس سال قید تنہائی میں گزارتے ہیں، جب وہ ٹی وی کی سکرین پر ٹکٹکی باندھے رکھتے ہیں، ماضی کو یاد کرتے ہیں اوراپنے ہاتھوں میں مہینوں پرانے عید کارڈز (Greeting Cards) اُنہوں نے پکڑے ہوتے ہیں جو اُنھیں اپنے شادی شدہ بچوں کی طرف سے آئے ہوتے ہیں۔

پھر بڑھاپے میں انسان پر بیماریاں اُسی طرح یلغار کرتی ہیں جس طرح گدھ (Vultures) کسی مری ہوئی لاش پر یلغار کرتے ہیں۔انسان کا بڑھاپا بعض اوقات ہسپتالوں میں گزرتا ہےاوراکثراوقات بیماریوں کی نذر ہوجاتا ہے۔

میڈیکل کے میدان میں جدیدتحقیقات کی وجہ سے انسانوں کی متوسط عمریں (Average life span) بڑھی ہیں بالخصوص ترقی یافتہ ممالک میں،لیکن وہ بوڑھے لوگ بیماریوں سے محفوظ نہیں کیونکہ بُوھاپے کی بیماریوں پر قابو پھر بھی نہیں پایا جاسکا۔امریکہ کی یونیورسٹی آف ساؤتھرن کیلیفورنیا (University of Southern California) کی خاتون محقق آئی لین کرمنز (Eileen Crimmins)اورہیرام سینچیز (Heram Sanchez) کی نئی ریسرچ جو(Journal of Gerontology)میں شائع ہوئی، اُس کے مطابق امریکہ میں متوسط عمریں بڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں کی بڑھاپے میں صحت بھی بہتر ہوئی ہے۔ڈاکٹرآئی لین کرمنز کے مطابق بڑھاپے کے سال جو کسی بڑی بیماری کے بغیر گزرتے ہیں، اُن میں زیادتی نہیں بلکہ کمی واقع ہوئی ہے۔ہم اپنی زندگی کے بہت کم سال بیماریوں کے بغیر گزارتے ہیں۔وہ رقمطراز ہیں:

The growing problem of lifelong obesity and increases in hypertension and high cholesterol are a sign that health may not be improving with each generation.... There is a substantial evidence that we have done little to date to eliminate or delay disease.... At the same time, there have been substantial increases in the incidences of certain chronic diseases specifically diabetes... We do not appear to tbe moving to a world when we die without experiencing significant periods of diseases, functionality loss, and disability." (1)

1) Crimmins, Eileen M & Beltren-sanchez, Hiram (2011) "Mortality and Morbidity Trends: Is there compression of Morbidity?" Vol. 66B, Issue 1, M 75-86

''عمر کے بیشتر حصے میں موٹاپا اور بلڈ پریشر اور کولیسٹرول میں اضافہ اِس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ آنے والی نسلوں کی صحت پچھلی نسلوں سے بہتر نہیں........اِس بات کا سائنسی ثبوت موجود ہے کہ ہم نے بیماریوں کو ختم کرنے یا ملتوی کرنے میں کچھ زیادہ ترقی نہیں کی.......لیکن اِس کے ساتھ بعض دیرینہ امراض بالخصوص ذیابیطس (شوگر) میں واضح طور پر اضافہ ہوا ہے۔ایسا نظر نہیں آتا کہ ہم اُس سمت میں ترقی کر رہے ہیں کہ ہم بیماریوں اور معذوریوں کے بغیر (بڑھاپے میں) وفات پا سکیں۔''

یہاں پر بڑھاپے کی چند عام بیماریوں کی لسٹ پیش کی جاتی ہے:

1) الزیمر کی بیماری (Alzheimer's disease)

اِس بیماری میں بڑھاپا بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان کی یادداشت انتہائی کمزور ہوتی چلی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ بیماری دماغ کے جذبات، ذہانت اور رویے کو کنٹرول کرنے والے حصوں تک پھیل جاتی ہے اور انسان، گوشت کا ایک لوتھڑا بن کر رہ جاتا ہے، جو سب کچھ جانتے

ہوئے بھی کچھ نہیں جانتا۔ساٹھ سال کی عمر میں اِس بیماری کا خطرہ 5 فیصد ہوتا ہے لیکن 80 برس کی عمر تک پہنچنے پر Alzheimer's disease کا خطرہ 20 فیصد ہو جاتا ہے۔اِس کی واضح وجہ کا ابھی تک علم نہیں ہوسکا لیکن بڑھاپے میں اِس بیماری میں انسان کے دماغ کے خلیئے (Brain cells) مرنا شروع ہو جاتے ہیں اور دماغ سکڑنا (brain-shrinkage) شروع ہو جاتا ہے۔

2) جوڑوں کی سوجن اور درد (Arthritis & Osteoarthritis)

اِس بیماری میں بوڑھے لوگوں کے ہڈیوں کے جوڑ (Joints) سوج جاتے ہیں اور جب وہ حرکت کرتے ہیں تو جوڑوں میں سخت درد ہوتا ہے۔یہ بیماری جوانوں کو بھی ہوسکتی ہے لیکن بوڑھوں میں یہ عام ہوتی ہے۔

3) بلڈ پریشر (Blood Pressure)

یہ بیماری بھی عمر بڑھنے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے جس میں خون کا شریانوں میں پریشر بڑھ جاتا ہے۔اِس بیماری کو خاموش قاتل (Silent killer) بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بیماری نہایت خاموشی سے انسان کی آنکھوں، گردوں اور دل کو ناکارہ کر دیتی ہے۔اِس بیماری کے شکار انسان کو کھانوں میں نمک ڈالنے سے اجتناب کرنا پڑتا ہے اور بے ذائقہ کھانے کھانے پڑتے ہیں۔اِس بیماری کی وجہ سے بڑھاپے میں انسان لذیذ کھانوں کا لطف نہیں لے سکتا۔

4) دل کا دورہ (Heart Attack)

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان کی شریانوں (arteries) میں سختی (less flexibility) آنا شروع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے دل کو کام زیادہ کرنا پڑتا ہے۔کبھی دل میں سوجن ہو جاتی ہے بالآخر انسان کو دل کا دورہ پڑ جاتا ہے۔بروقت طبی مدد مل بھی جائے تو پھر بھی بقیہ زندگی دل کے دورے کے خوف اور خوراک کے شدید پرہیز میں گزرتی ہے۔

5) فالج (Stroke)

گو کہ یہ بیماری جوانوں کو بھی لاحق ہو سکتی ہے لیکن بڑھاپے میں اِس کے امکانات بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ دماغ کے کسی حصے میں منجمد خون (Blood Clot) کی وجہ سے خون بروقت نہ پہنچنے کی صورت میں دماغ کا وہ حصہ مفلوج ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان کا پورا جسم یا آدھا دھڑ چلنے پھرنے یا حرکت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ 2010ء میں عالمی فالج ڈے "World Stroke Day" کے اعداد و شمار کے مطابق 60 برس سے زیادہ عمر کے لوگوں میں موت کا دوسرا سب سے اہم سبب فالج بتایا گیا ہے۔

"Stroke is the second leading cause of death for people above the age of 60."

6) کینسر (Cancer)

کینسر انتہائی اذیت ناک بیماری ہے اور بڑھاپے میں اِس کی تکلیف اور شرح بڑھ جاتی ہے۔ بوڑھے لوگوں کو پروسٹیٹ (Prostate) اور بڑی آنت (Colon) کا کینسر، جوانوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ پروسٹیٹ کینسر، دنیا بھر میں پائی جانے والی کینسر کی اقسام میں چوتھی بڑی قسم ہے اور یہ کینسر، بڑی عمر کے مردوں میں زیادہ پایا جاتا ہے خاص طور پر 50 سے 59 سال کی عمر کے مرد حضرات میں اِس مرض میں مبتلا ہونے کے واقعات زیادہ دیکھے گئے ہیں۔ اسی طرح مقعد (پاخانہ کرنے کا مقام) سے خون آنا، بڑی آنت (Colon) کے کینسر کی علامت ہے اور یہ عام طور پر بڑی عمر کے لوگوں کو ہوتا ہے۔ کھانسی میں خون آنا پھیپھڑوں کے کینسر کی علامت ہو سکتا ہے جیسا کہ حال ہی میں برٹش جرنل آف جنرل پریکٹس میں کیلی یونیورسٹی کے مارک شیپلی اور اُن کے معاون ساتھیوں نے اپنی ایک تحقیقاتی رپورٹ میں بیان کیا ہے۔ مزید برآں، کینسر اپنے آخری مرحلے میں پہنچ کر پورے جسم میں پھیل جاتا ہے (رسولی کی صورت میں کینسر کے پھیل جانے کو metastasis کہتے ہیں اور خون کے کینسر یا لیوکیمیا "Leukemia" کی

صورت میں کینسر کے پھیل جانے کو blast crisis بھی کہتے ہیں)۔ جب کینسر اپنی آخری سٹیج میں پہنچ کر پورے جسم میں پھیل جاتا ہے تو انسان کے جسم کے ایک ایک رگ و ریشے میں شدید تکلیف ہوتی ہے اور افسوس کہ کینسر کا علاج (chemotheraphy) اُس سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں انسان میں نہ تو کینسر کا درد برداشت کرنے کی طاقت رہتی ہے اور نہ ہی کینسر کے علاج کی تکلیف سہنے کی طاقت۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو کینسر جیسے مرض سے بچائے اور اُس کی بجائے اپنے راستے میں شہادت عطا فرمائے۔ آمین

7) ذیابیطس (Diabetes)

شوگر کی بیماری بھی عام طور پر عمر بڑھنے کے ساتھ لاحق ہوتی ہے۔ پھر انسان اپنی زندگی سے بھرپور لطف لینا بھی چاہے تو نہیں لے سکتا کیونکہ اسے کئی کھانوں میں میٹھی ڈشز (desserts) سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ اگر میٹھی چیز کھالے تو جسم کی شوگر خطرناک حد تک بڑھ جاتی ہے جس سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے۔ جب انسان کو ایک مرتبہ شوگر کی بیماری چمٹ جائے تو اندر ہی اندر اُس کے جسم اور ہڈیوں کو گھولتی رہتی ہے۔

8) پراسٹیٹ غدود کا بڑھ جانا (Prostate Enlargement)

مردوں میں مثانے کے اوپر یہ غدود ہوتا ہے جو جنسی فرائض انجام دینے میں مددگار ہوتا ہے۔ جب مرد حضرات 60 سال کی عمر سے بڑھتے ہیں تو اِس غدود کے بڑھ جانے کے امکانات بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اِس غدود کے سوجنے کی صورت میں پیشاب کرنے میں بہت دقت پیش آنا شروع ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے پیشاب کی نالی کے انفیکشن، پیشاب روکنے پر کنٹرول نہ رہنا اور پیشاب نکل جانا، گردوں کو نقصان، مثانے میں پتھری جیسی بیماریاں سر اٹھا لیتی ہیں۔

9) آنکھوں کی بیماریاں

جب انسان پر بڑھاپا آ جاتا ہے تو اُس کی نظر وقت کے ساتھ کمزور ہوتی ہے اور موتیا اور دیگر آنکھوں کی بیماریاں ظاہر ہوتی ہیں، جن میں بلڈ پریشر کی زیادتی اور شوگر کا بھی خاصا دخل ہوتا ہے۔ انسان دنیا کی زندگی اور حسن کو جس طرح جوانی میں دیکھ کر لطف لیتا ہے، اب بڑھاپے میں اُس کی نظر اُس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہوتی۔

10) چہرے اور جسم پر جھریاں

جوانی میں انسان کے چہرے اور جسم کی جلد تر و تازہ اور چمک والی ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں یہی جلد خشک ہو جاتی ہے اور اُس پر جھریاں بڑھ جاتی ہے۔ کولجن (Collagen) اور ایلاسٹن (elastin) دو ایسی پروٹینز ہیں جو انسانی جلد میں پائی جاتی ہیں اور عمر بڑھنے کے ساتھ اُن کے ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری رہتا ہے۔ ان کے نقصان ہونے سے چہرے اور جسم پر جھریاں پڑ جاتی ہیں اور جلد کی قدرتی ملائمت (smoothness of skin) ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بڑھاپے میں انسان کے چہرے اور جسم پر جوانی والی رعنائی اور کشش نہیں رہتی۔

11) بڑھاپا اور دوائیوں کے نقصانات

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج ادویات (medicines) کی ایجاد کی وجہ سے انسانوں کی زندگیاں بڑی آسان ہو گئی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر ایلو پیتھک دوائی کے ضمنی نقصانات (drug side-effects) ہوتے ہیں۔ امریکہ کے یونیورسٹی آف پنسلوینیا (University of Pennsylvania) کے میڈیکل کالج (Perelman School of Medicine) کے ڈائریکٹر ڈاکٹر برائن سٹروم (Dr. Brian Strom) نے کہا تھا:

"It's important for the public to realize all drugs have side effects. If they have active ingredients, they have side effects and can interfere with normal body functions." (1)

1) Marcus, Mary Brophy (Aug 2, 2011) "Read the drug labels, avoid dangerous side effects" USA Today, a division of Gannett Co. Inc.

''لوگوں کو یہ بات سمجھنی چاہیے کو تمام ادویات کے ضمنی نقصانات ہوتے ہیں۔ اگر وہ صحیح دوائی ہے تو پھر اُس کے اجزاء جسم کی کارکردگی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

دواؤں کے یہ نقصانات خاص کر انسان کے بڑھاپے میں پوری شدت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض اوقات بالکل عام سی درد کم کرنے کی ادویات (nonsteroidal anti-inflammatories - NSAIDs) بعض بوڑھے لوگوں میں معدے کے السر یا گردوں کے نقصان کا سبب بن جاتی ہیں، کبھی الرجی کی ادویات (Benadryl) کے استعمال کی وجہ سے بوڑھے لوگ یاداشت کی خرابی اور عدم توازن (loss of memory and disorientation) کا شکار ہوجاتے ہیں۔ وغیرہ، وغیرہ۔

الغرض انسان اپنی زندگی سے شدید محبت کرتا ہے لیکن جب بڑھاپا آتا ہے تو طرح طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں سے دوچار ہوتا ہے۔ پھر بھی اُس کی جان بخشی نہیں ہوتی بلکہ موت کے وقت کی تکلیف سے اُس نے ضرور گزرنا ہوتا ہے:

﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾

(سورۃ ق: آیت ۱۹)

''اور موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔''

اِس کے برعکس اب ذرا ایک شہید کی موت کے وقت کی کیفیت ملاحظہ ہو جو حدیث میں بیان ہوئی ہے:

مَا يَجِدُ الشَّهِيْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ، اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ (ترمذی، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

''راہِ خدا میں شہید ہونے والا، اپنے قتل کئے جانے کے وقت بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔''

مجھے اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے محبت ہے

آج کا مسلمان یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنے اور معاشرے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کے لیے کیسے نکلوں کہ کہیں میں اِس جدوجہد میں مارا نہ جاؤں، پھر میرے بعد میری اولاد کی کفالت کون کرے گا۔ مجھے اپنی اولاد سے شدید محبت ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں اُس سے کیا کہا ہے:

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُم بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُون ○ (سورہ سبا: آیت 37)

''یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو۔ ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے اُن کے عمل کی دُہری جزا ہے، اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔''

دوسری جگہ قرآن نے اولاد کو انسان کے لیے آزمائش قرار دیا ہے جیسا کہ سورہ التغابن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيم ﴾

(التغابن: آیت 15)

''تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔''

اسلام نے نکاح کرنے کا سختی سے حکم دیا ہے لیکن ساتھ ہی انسان کو خبردار بھی کیا ہے کہ اولاد اور مال اُس کا امتحان لینے کے لئے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ﴾

(سورہ المنافقون: آیت 9)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمھارے مال اور تمھاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔''

حدیث میں آتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ مَجْهَلَةٌ مَحْزَنَةٌ

(طبرانی الکبیر، جلد ۲۴، صفحہ ۲۴۱)

''بیشک بچے انسان میں کنجوسی، بزدلی، جہالت (علم سے دوری) اور اداسی پیدا کرتے ہیں۔''

[اس حدیث کی سند کو شیخ ناصر الدین البانی نے صحیح الجامع (حدیث نمبر 1990) میں صحیح قرار دیا ہے۔]

اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے عرب عالم شیخ محمد صالح المنجد لکھتے ہیں:

''جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچے انسان میں کنجوسی پیدا کرنے کا سبب ہوتے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص اللہ کے راستے میں خرچ کرنے لگتا ہے تو شیطان اُس شخص کو اُس کے بچے یاد کرواتا ہے چنانچہ وہ شخص سوچتا ہے

"میرے بچوں کو ان پیسوں کی ضرورت ہے، جب میں مرجاؤں گا تو یہ پیسہ میرے بچوں کے کام آئے گا۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد انسان میں بزدلی پیدا کرتی ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ جب انسان اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لیے نکلنے لگتا ہے تو شیطان آ کر اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ "جہاد میں تم قتل ہو جاؤ گے تو تمہارے بچے یتیم ہو جائیں گے اور اکیلے ہو جائیں گے۔" چنانچہ وہ شخص گھر میں ہی رہتا ہے اور جہاد کے لئے نہیں نکلتا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچے انسان کی جہالت کا سبب ہوتے تو اِس کا مطلب ہے کہ بچے اپنے باپ کی توجہ اسلامی علم حاصل کرنے، اسلامی مجالس میں شرکت کرنے اور اسلامی کتابوں سے ہٹا دیتے ہیں اور وہ شخص اسلامی علوم میں جاہل رہ جاتا ہے۔

جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد انسان کے لیے غم وحزن کا سبب ہوتی ہے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب بچہ، باپ سے کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے جو والد اس کے لیے نہ خرید سکے تو یہ چیز باپ کو اداس کرتی ہے اور اگر بچہ بڑا ہو کر نافرمان اور سرکش ہو جائے یہ چیز والدین کے لیے مسلسل باعثِ اذیت ہوتی ہے۔" (1)

1) ظاھرۃ ضعف الایمان: الاعراض، الاسباب، العلاج۔ محمد صالح المنجد۔ مطبوعہ ریاض 1413ھ مطبع سفیر

اب اِس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان فیملی پلاننگ شروع کر دیں کیونکہ فیملی پلاننگ تو شیطان کرتا ہے۔ شیطان کم بچے اور خوش حال گھرانے کا نعرہ بلند کرتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ شیطان کا ہر نعرہ جھوٹا ہوتا ہے۔ دراصل قرآن اور حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص مال

اور اولاد کی محبت پر اللہ کی محبت کو غالب رکھنے میں کامیاب رہا تو اُس کے لیے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے جیسا کہ سورہ التغابن کی آیت 15 میں بیان ہوا ہے۔ اولاد کی محبت کوئی بُری چیز نہیں، بس انسان کے دل میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت سے زیادہ کسی شے کی محبت نہیں ہونی چاہیے۔

اب جہاں تک بیوی سے محبت کا معاملہ ہے تو اسلام اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ میاں بیوی میں محبت ہو اور اس میں شک نہیں کہ جس شخص کو نیک بیوی مل گئی یا جس عورت کو نیک خاوند مل گیا، اُسے دنیا کی بہترین شے مل گئی۔ حدیث میں آتا ہے:

اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةِ (صحیح مسلم۔ کتاب النکاح)

''پوری دنیا کی حیثیت سامان کی ہے اور اس میں بہترین شے نیک بیوی ہے۔''

لیکن اگر انسان کی اپنی بیوی سے محبت، اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بڑھ جائے تو اسلام اُس سے خبردار کرتا ہے:

﴿ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ (سورہ التغابن:14)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، اُن سے ہوشیار رہو۔''

ظاہر بات ہے کہ اِس آیت میں ہر بیوی اور بچے کو شامل نہیں کیا گیا کیونکہ نیک اور صالح بیویاں یا بچے تو انسان کو اللہ کے قریب ہونے میں مدد کرتے ہیں۔ لیکن اگر انسان کی اپنی بیوی کے لیے محبت، اللہ کی محبت سے زیادہ ہے تو انسان کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کیونکہ انسان اپنی بیوی سے آخر کتنا لطف لے سکتا ہے۔ اُس کی شادی شدہ زندگی کا آدھا حصہ

تو ماہواری اور نفاس میں گزر جاتا ہے جس میں خاوند اُس سے تمتع نہیں کر سکتا۔ اُس عورت کی ابتداء ایک نطفے سے ہوئی اور جوانی کا مختصر عرصہ گزار کر آخر وہ بوڑھی ہو جائے گی۔ اُس کے جسم پر جھریاں پڑ جائیں گی۔ خاوند چاہے اُسے کتنا خوش کرنے کی کوشش کرے، لیکن انسان ہونے کے ناطے اُس کو غصہ ضرور آتا ہی ہے اور پھر وہ خاوند کی سب کی کرائی پر پانی پھیر دیتی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی حدیث میں آتا ہے:

قَالَ: يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ ،وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَارَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ

(صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب كفران العشير)

”آپؐ نے فرمایا کہ خواتین شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں۔ (اے شخص) اگر تو کسی عورت کے ساتھ (یعنی بیوی کے ساتھ) ایک لمبے عرصہ تک احسان کرتا رہے اور اُس کے بعد وہ تجھ میں اپنی طبیعت کے خلاف کوئی بات (یا کوئی خامی) دیکھ لے تو فوراً کہہ دے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی آرام نہیں پایا۔“

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چاہے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے کتنی ہی محبت ہو لیکن موت کے وقت دونوں کو علیحدہ ہونا ہی ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ نیک ہیں تو دونوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں ہمیشہ کے لئے ملا دے گا لیکن اگر دونوں سخت گنہگار ہیں تو قیامت کے روز اللہ کے سامنے ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اور دنیا کی زندگی گناہوں میں گزارنے کا ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرا رہیں گے۔

یہاں پر دنیا کے رشتوں اور لذتوں کی بے ثباتی کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے

جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور جو کچھ اُس میں ہے، وہ کتنے ناقص (imperfect) ہیں اور آخرت کی ہر شے کتنی مکمل (perfect) اور اعلیٰ ہے جیسا کہ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاo وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰیo (سورہ الاعلیٰ)

''تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔''

حضرت مالک بن دینارؒ ایک روز بصرہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے کہ ایک خوبصورت کنیز کو نہایت جاہ وجلال اور حشم وخدم کے ساتھ جاتے دیکھا۔ آپ نے اُسے آواز دے کر پوچھا: ''کیا تیرا مالک تجھے بیچتا ہے؟''

کنیز نے کہا: ''شیخ کیا کہتے ہو ذرا پھر سے کہو؟''

مالک بن دینار نے کہا: ''کیا تیرا مالک تجھے بیچتا ہے یا نہیں؟''

کنیز نے کہا: ''بالفرض اگر فروخت بھی کرے تو کیا تجھ جیسا مفلس خرید لے گا؟''

مالک بن دینار نے کہا: ''ہاں تُو کیا چیز ہے، میں تجھ سے بھی اچھی خرید سکتا ہوں۔''

یہ سُن کر کنیز ہنس پڑی اور اپنے خادموں کو حکم دیا کہ اُس شخص کو ہمارے گھر لے آؤ۔ خادم لے آیا۔ وہ اپنے مالک کے پاس گئی اور اُس سے سارا قصہ بیان کیا۔ وہ سن کر بے اختیار ہنسا کہ ایسے درویش کو ہم بھی دیکھیں۔ یہ کہہ کر مالک بن دینارؒ کو اپنے پاس بلایا۔ دیکھتے ہی اُس کے قلب پر ایسا رعب چھا گیا کہ پوچھنے لگا آپ کیا چاہتے ہیں؟ مالک بن دینار نے کہا یہ کنیز میرے ہاتھ بیچ دو۔ اُس نے کہا: ''کیا آپ اُس کی قیمت دے سکتے ہیں؟''

مالک بن دینارؒ نے فرمایا: ''اِس کی قیمت ہی کیا ہے؟ میرے نزدیک تو اِس کی قیمت

کھجور کی دو سڑی گٹھلیاں ہیں۔''

یہ سن کر سب ہنس پڑے اور پوچھنے لگے کہ یہ قیمت آپ نے کیوں تجویز فرمائی؟ مالک بن دینارؒ نے کہا: ''اِس میں بہت سے عیب ہیں، عیب دار شے کی قیمت ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔'' جب اُس نے عیبوں کی تفصیل پوچھی تو شیخ بولے:

''سنو! جب یہ کنیز عطر نہیں لگاتی تو اِس میں سے بو آنے لگتی ہے، جو منہ نہ صاف کرے تو منہ گندا ہو جاتا ہے، بو آنے لگتی ہے اور جو کنگھی چوٹی نہ کرے اور تیل نہ ڈالے تو اِس کے بالوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں اور بال پراگندہ اور غبار آلود ہو جاتے ہیں اور جب اِس عورت کی عمر زیادہ ہو گی تو بوڑھی ہو کر کسی کام کی بھی نہ رہے گی۔ حیض اِسے آتا ہے، پیشاب پاخانہ یہ کرتی ہے۔طرح طرح کی نجاستوں سے یہ آلودہ ہے۔ہر قسم کی قدورتیں اور رنج و غم اِسے پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ تو ظاہری عیب ہیں۔اب ذرا باطنی عیب سنو۔یہ کنیز خود غرض اتنی ہے کہ تم سے اگر محبت ہے تو غرض کے ساتھ ہے۔ یہ وفا کرنے والی نہیں اور اِس کی دوستی سچی دوستی نہیں۔ تمھارے بعد تمھارے جانشین سے ایسے ہی مل جائے گی جیسا کہ اب تم سے ملی ہوئی ہے۔اِس لئے اِس کا اعتبار نہیں اور میرے پاس اِس سے کم قیمت کی ایک کنیز ہے، جس کیلئے میری ایک کوڑی بھی خرچ نہیں ہوئی اور وہ اِس سے فائق ہے۔کافور، زعفران، مشک اور جوہرِ نور سے اُس کی پیدائش ہے۔اگر کسی کھارے پانی میں اُس کا لعاب دہن گرا دیا جائے تو وہ شیریں اور خوش ذائقہ ہو جائے اور جو تاریکی میں ظاہر ہو تو اُجالا ہو جائے۔اور اگر وہ پوشاک و زیور سے آراستہ ہو کر دنیا میں آ جائے تو تمام جہاں معطر اور مزیّن ہو جائے۔اور زعفران کے باغوں اور یاقوت و مرجان کی شاخوں میں اُس نے پرورش پائی ہے۔اور طرح طرح کے آرام میں رہی ہے اور تسنیم کے پانی سے غذا دی گئی ہے۔اپنے عہد کی پوری ہے، دوستی کو نبھانے والی ہے۔ اب تم بتاؤ اِن میں سے کون سی کنیز خریدنے کے لائق ہے؟

کنیز کے مالک نے کہا: ''جس کی آپ نے خوبیاں بیان کی ہے، یہی خریدنے اور طلب کرنے کی مستحق ہے۔''

شیخ نے فرمایا: ''اُس کی قیمت ہر وقت ہر شخص کے پاس موجود ہے۔اُس کی قیمت یہ ہے کہ رات بھر میں ایک گھڑی کیلئے تمام کاموں سے فارغ ہو جاؤ اور نہایت اخلاص کے ساتھ دو رکعت تہجد پڑھو اور اُس کی قیمت یہ ہے کہ جب تمھارے سامنے کھانا چنا جائے تو اُس وقت کسی بھوکے کو خالص اللہ کی رضا کیلئے دے دیا کرو اور اُس کی قیمت یہ ہے کہ راہ میں اگر کوئی نجاست یا اینٹ ڈھیلا پڑا ہو تو اُسے اٹھا کر راستے سے پرے پھینک دیا کرو اور اُس کی قیمت یہ ہے کہ اپنی عمر کو تنگدستی اور فقر و فاقہ اور بقدرِ ضرورت سامان پر اکتفاء کرنے میں گزار دو۔ اور اِس مکار دنیا سے اپنی فکر کو بالکل الگ کر دو اور حرص سے کنارہ کش ہو کر قناعت کی دولت اپنا لو۔ پھر اُس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کل تم بالکل چین سے ہو جاؤ گے اور جنت میں، جو آرام و راحت کا مخزن ہے، عیش اڑاؤ گے۔''

اُس شخص نے سن کر کہا: ''اے کنیز! کیا تو سنتی ہے، شیخ کیا فرماتے ہیں، سچ یا جھوٹ؟''

کنیز نے کہا: ''سچ کہتے ہیں اور خیر خواہی ارشاد فرماتے ہیں۔''

اُس شخص نے سن کر کہا: ''اگر یہی بات ہے تو میں نے تجھے اللہ کے واسطے آزاد کیا اور فلاں فلاں جائیداد تجھے دی اور غلاموں سے کہا کہ تم کو بھی آزاد کیا اور فلاں فلاں زمین تمھارے نام کر دی اور یہ گھر اور تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کیا اور پھر دروازے پر ایک بہت موٹے کپڑے کو کھینچ لیا اور تمام پوشاک فاخرہ اتار کر اسے پہن لیا۔ اُس کنیز نے یہ حال دیکھ کر اُس شخص سے کہا: ''تمھارے بعد میرا کون ہے۔'' اُس نے بھی اپنا لباس پھینک دیا اور ایک موٹا کپڑا پہن لیا اور وہ بھی اُس کے ساتھ ہوگئی۔ مالک بن دینار نے یہ حال دیکھ کر اُن کیلئے دعائے خیر فرمائی اور خیر باد کہہ کر رخصت ہوئے اور ادھر یہ دونوں اللہ کی عبادت میں مصروف ہو گئے اور عبادت ہی میں جان دے دی۔'' (1) بحر الدموع، ابن جوزی)

آپ نے اس واقعے میں غور فرمایا کہ پہلے وہ کنیز صرف جسمانی طور پر اُس امیر شخص کے قبضے میں تھی۔ اگر وہ امیر شخص اُس کنیز کو کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا تو وہ کنیز بخوشی دوسرے شخص کے پاس چلی جاتی۔ لیکن جب اُس امیر شخص نے اپنی زندگی اللہ جل جلالہٗ کے لئے وقف کر دی، تو باوجود یکہ اُس نے کنیز کو آزاد کر کے مال و دولت بھی دے دی لیکن پھر بھی اُس عورت کو اُس شخص سے دل سے محبت ہو گئی اور اُس نے کہیں اور جانے سے انکار کر دیا۔ سچ کہتے ہیں اللہ والے کہ:

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ

''جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اُس کا ہو جاتا ہے۔''

جب کوئی اللہ کا ہو جاتا ہے تو پھر مخلوقات کے دل اللہ تعالیٰ خود اُس شخص کی طرف پھیر دیتا ہے۔

مجھے اپنے والدین، بہن بھائیوں اور دوستوں سے پیار ہے

انسان اِس دنیا میں اپنے والدین، بہن بھائیوں یا دوستوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے۔ کبھی خاندان میں مروج برائی کو اِس لیے چیلنج نہیں کرتا کہ کہیں اُس کے گھر یا خاندان والے ناراض نہ ہو جائیں حالانکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (مشكوة المصابيح. الاستيعاب)

''اللہ کی مخلوق کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی نہیں کی جاسکتی۔''

[اس حدیث کو علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں صحیح کہا ہے (9903)۔ اس کے علاوہ علامہ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور شیخ ناصر الدین البانی نے

تخریج مشکوٰۃ المصابیح(3624) میں اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا۔]

آج انسان جن والدین یا بہن بھائیوں یا دوستوں یاروں کے لیے اللہ کے بتائے ہوئے فرائض چھوڑتا ہے، قیامت کے روز وہ سب لوگ نفسی نفسی (میری جان، میری جان) کہتے ہوئے اِس شخص کو چھوڑ دیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْماً لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئاً إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُور o

(لقمٰن، آیت:33)

''لوگو، بچو اپنے رب کے غضب سے اور ڈرو اُس دن سے جبکہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا۔ فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز (شیطان) تم کو اللہ کے معاملے میں دھوکا دینے پائے۔''

اُس روز والدین، بیوی بچے، بہن بھائی کوئی بھی کام نہیں آئے گا:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ o وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ o وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ o لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ o (سورہ عبس:37-34)

''اُس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔''

اور دنیاوی دوست یار تو قیامت کے روز ویسے ہی دُم دبا کر بھاگ جائیں گے۔ صرف

جن کی دوستی اسلام کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے ہوئی، وہی دوست رہیں گے۔

﴿اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ﴾ (الزخرف: آیت 67)

”وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔“

ویسے بھی عام مشاہدے کی بات ہے کہ اکثر شادی سے پہلے کے دور میں لوگوں کی بہت مضبوط دوستی ہوتی ہے۔دونوں دوست مل کر فلمیں دیکھنے جاتے ہیں۔ایک دوسرے کی خاطر نمازیں قضا کر دیتے ہیں۔اللہ کی نافرمانی کے کام کرتے ہیں لیکن جونہی اُن کی شادیاں ہوتی ہیں، تو اگر دونوں دوستوں کی بیویوں کے آپس میں مزاج نہ ملیں تو دونوں مرد حضرات کی دوستی بھی ختم۔یا اگر دونوں کے بچوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو دوستی ختم۔دنیا کے لیے کی گئی دوستیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔اِس لیے اصل دوستی اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی کرنی چاہیے۔اِسی چیز کو الولاء والبراء کہتے ہیں۔

میں اپنی اچھی تنخواہ والی نوکری اور منافع بخش بزنس کو نہیں چھوڑ سکتا

جس گھر کو انسان نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے بنایا ہوتا ہے، اُسے فطرتاً اُس گھر سے محبت ہوتی ہے۔اسی طرح اپنا منافع بخش کاروبار یا اچھی تنخواہ والی نوکری انسان کے لئے بہت پرکشش ہوتی ہے لیکن جب اِن چیزوں کا آخرت سے مقابلہ کیا جائے تو یہ کچھ نہیں۔ پھر اپنے بزنس کو منافع بخش رکھنے کے لئے انسان کو مسلسل مشقت کرنا پڑتی ہے۔معاشرے میں دوسرے لوگوں سے شدید مقابلہ (Cut-throat competition) ہوتا ہے۔نوکری کرنے والوں کو پیشہ ورانہ حسد (Professional Jealousy) کا مقابلہ کرنا پڑتا

ہےاور پھر بھی یہ سب کچھ عارضی (Temporary) ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ مَا لَكُمْ إِذَا قِيْلَ لَكُمُ انفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الأَرْضِ أَرَضِيْتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِيْ الآخِرَةِ إِلاَّ قَلِيْلٌ٥ (سورہ التوبہ:38)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہوگیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔''

مجھے اپنا گھر اور اپنا بنگلہ عزیز ہے

جولوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کرتے ہیں اُن کا مقابلہ اپنے بنگلوں اور گھروں میں بیٹھے مسلمان کیسے کرسکتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَضَّلَ اللّهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً٥

(سورہ النسآء: آیت95)

''اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔''

دنیا میں چاہے انسان کتنے ہی شاندار بنگلے یا محل میں رہے، وہ آخرت کے سونے اور چاندی کے محلوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ پھر اُس شخص کی خوش قسمتی کا کیا کہنا کہ جسے مرنے کے وقت ہی اُس کے جنت کے محلوں (Palaces) کا نظارہ کرادیا جائے کیونکہ تمام مرنے والوں میں سے شہید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خاص انعام ملتا ہے کہ مرنے کے وقت ہی اُس کو اُس کے

جنت کے محلوں (Palaces) کا نظارہ کرا دیا جاتا ہے:

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ o (سورہ یٰسٓ:26)

(اللہ کے راستے میں شہید ہوتے ہی) اُس شخص سے کہہ دیا گیا کہ "داخل ہو جا جنت میں" اُس نے کہا: "کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا۔"

اور حدیث میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ شہید کو مرنے کے وقت ہی اُس کو اُس کے جنت کے محلوں کا نظارہ کرا دیا جاتا ہے۔ حضرت مقدام بن معد یکربؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُلَهٗ فِي اَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيَرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِوَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَيُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقَارِبِهٖ (1)

(الترمذی وابن ماجة واحمد والطبرانی عن عبادة من الصامت)

ترجمہ:......"اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ انعام ہیں:

۱...... پہلی دفعہ میں ہی اُس کی بخشش ہو جاتی ہے۔

۲...... (موت کے وقت) جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔

۳...... عذابِ قبر سے محفوظ اور قیامت کے فزعِ اکبر سے امن میں رہتا ہے۔

۴...... اُس کے سر پر "وقار کا تاج" رکھا جاتا ہے، جس کا ایک نگینہ دنیا

کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔

۵ ...... جنت کی بہتر (72) حوروں سے اُس کا بیاہ ہوتا ہے۔

۶ ...... اور اُس کے ستر عزیزوں کے حق میں اُس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

کیا ''نفس کا جہاد'' سب سے ''بڑا جہاد'' (جہادِ اکبر) ہے؟

اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ

موجودہ زمانے میں دجالی میڈیا پر جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر کی بحث پیش کی جاتی ہے اور اِس بات پر کافی زور دیا جاتا ہے کہ اپنے ''نفس کا جہاد'' دراصل سب سے بڑا جہاد ہے اور اِس سے اپنے ''نفس کا تزکیہ'' مراد لیا جاتا ہے۔اِس مقصد کے لئے یہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ قَالُوْا وَمَا الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ؟ قَالَ جِهَادُ الْقَلْبِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہم چھوٹے سے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے۔'' صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا ''یا رسول اللہ، جہادِ اکبر کونسا جہاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دل (نفس) کا جہاد''۔گویا کفار سے لڑنا چھوٹا جہاد ہے اور نفس کا جہاد بڑا جہاد ہے۔اور اِس جھوٹے قصے کو حدیث کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ اِس کی برکت سے مسلمانوں کے جذبات کا رُخ اسلام کے دشمنوں کی بجائے اپنی جانوں ہی کی طرف مڑ جائے اور وہ طبلہ و دیگر آلاتِ موسیقی کی تھاپ و ساز پر تالیاں بجا کر اور قوالوں بلکہ (قوالنوں) کے شریعتِ اسلامی کے منافی کلام پر جھوم جھوم کر داد دیتے ہوئے عشق و مستی میں اتنے مست و مخمور ہوں کہ اپنی حقیقت، حیثیت و مقام کو بھول کر ''صوفی ڈانس'' میں مشغول ہو جائیں اور اُن کو اصل فریضہ جہاد و قتال سرے سے یاد ہی نہ رہے کہ جس کے لیے قرآن مجید کی تقریباً پانچ سو سے زیادہ آیات مبارکہ موجود ہیں۔افسوس یہ ہے کہ اِس

''جہاد بالنفس'' کی غلط فہمی کے کچھ دیندار حضرات بھی شکار ہو جاتے ہیں، کاش کہ ان نادانوں کو کلمہ ''لا الـــہ الا اللہ'' کا وہ مفہوم معلوم ہوتا کہ جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف اور اُحد کے معرکوں میں اپنے خون کا عطیہ دے کر سمجھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 27 غزوات میں خود شریک ہو کر اُمت کو سمجھایا۔اب ہم اِس جھوٹی حدیث کے متعلق کچھ بحث کرتے ہیں:

(1) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "موضوعات کبیر" (بڑی بڑی گھڑی ہوئی حدیثیں) میں اِس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا کہ لوگوں کے ہاں یہ حدیث زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے حالانکہ یہ ابراھیم بن عبلہ نامی ایک شخص کا قول ہے۔ ابن حجر عسقلانی ؒ نے اِس خبر کے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ جھوٹی اور گھڑی ہوئی روایت ہے اور یہ حدیث نہیں ہے۔ تنظیم الاشتات شرح مشکوۃ میں اِس حدیث کے متعلق بحوالہ تعلق الصبیح و تفسیر بیضاوی لکھا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اِس حدیث کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ اِس قول کو حدیث کہنا انتہائی شرمناک بات ہے۔ اِس جھوٹی روایت کو حدیثِ نبوی کہنے والے عموماً وہ بزدل مسلمان اور منافقین ہوتے ہیں جو اللہ کے راستے میں جان دینے سے سخت ڈرتے ہیں۔ قرآن نے اِس بارے میں بالکل واضح انداز میں بیان کر دیا ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ﴾ (سورہ البقرہ:216)

''تم پر قتال فرض کیا گیا ہے چاہے وہ تمہیں ناگوار ہو۔''

اور جہاد کی اہمیت کے متعلق رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ جو مسلمان بھی اِس حالت میں مرا کہ نہ تو اُس نے کبھی جہاد کیا اور نہ کبھی جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو اُس کی موت منافقت کی حالت میں ہوئی۔'' (صحیح مسلم، جلد۳، صفحہ 1057، نمبر 4696)

(2) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی عزیزیہ میں لکھا ہے کہ ''میں نے اِس قصے کو کسی حدیث کی کتاب میں نہیں دیکھا ہے، یہ کلام صوفیاء کا تو ہوسکتا ہے مگر حدیث ہرگز نہیں ہے۔''

(3) مشارع الاشواق الی مصارع العشاق میں لکھا ہوا ہے کہ ''دشمنانِ اسلام نے جب دیکھا کہ مسلمان کے پاس اپنے دفاع اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جیسی عظیم بنیادی قوت موجود ہے اور جب تک جہاد جاری ہے جو انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا (مسلم شریف) اور اِس کے خلاف دشمنان اسلام کے پیر جم نہیں سکتے تو انہوں نے جہاد کا زور توڑنے کے لیے اور اُس کو کمزور کرنے کے لیے کئی سال کے غور وخوض، زرکثیر کے صرف اور منافقین کے ساتھ گٹھ جوڑ کے بعد اِس مشکل کا یہ حل ڈھونڈھ لیا کہ مسلمان کو آرام طلبی میں ڈال کر جہاد فی سبیل اللہ کے راستے سے ہٹالیا جائے اور اُس کے لیے اُنہوں نے یہ پُرفریب اور مہذب طریق کار اختیار کیا کہ انہوں نے جہاد کو اصغر و اکبر میں تقسیم کردیا اور یہ سمجھا دیا کہ کفر سے جہاد کرنا چھوٹا جہاد ہے اور نفس کے ساتھ دھینگا مشتی کرنا بڑا جہاد ہے۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے اُن دشمنانِ اسلام (غالباً یہودیوں) نے احادیث گھڑلیں اور اُن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مسلمان اُن کو ضرور قبول کرلیں گے، چنانچہ انہوں نے اسی طرح یہ حدیث بھی گھڑی جو سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح جھوٹ ہے اور احادیث کی معتبر کتابوں میں یہ حدیث سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔''

الغرض کہ محمد صدیق احمد لیمبلیا کے الفاظ میں: ''پھر اِس من گھڑت حدیث کا کمزور ایمان کے مسلمانوں پر ایسا اثر ہوا کہ اُنہوں نے جب دیکھا کہ نفس و شیطان کا مقابلہ سب سے بڑا جہاد ہے تو کفار سے اصل جہاد کرنے سے باز آگئے اور قتال سے کنارہ کش ہوکر تسبیح، ذکر و فکر، مراقبے، علم جفر اور علم الاعداد (یعنی اپنی طرف سے خود حروف کی قیمت مقرر کر کے اصل آیاتِ قرآنی سے

انحراف کرنے کا یہودی طریقہ یعنی تعویذ گنڈے، عملیات، طلسمات اور ذہنی و جسمانی ریاضتوں میں جُت گئے تا کہ مال و جان کے مجاہدے اور جانفشانی کے بغیر آخرت میں نجات اور کامیابی صرف تسبیح کے چند دانے پھرانے یا کسی صاحب قبر کی عنایات کے شارٹ کٹ کے ذریعے حاصل کر لی جائے۔

ان ہی وجوہات کی بنا پر مسلمانانِ عالم جہاد کی سیدھی شاہراہ چھوڑ کر خواہشات نفس میں ایسے پھنسے کہ سنت کو فرض پر اور مستحب کو واجب پر ترجیح دی جانے لگی اور 85 فیصد اصولوں پر سب مسلمان فرقوں کا اتفاق ہونے کے باوجود 15 فیصدی فروعات جن میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے کو اتنا اُچھالا گیا کہ یہی 'میدانِ جہاد' بن گیا جس میں مدِ مقابل کفار کی بجائے کلمہ گو مسلمان ہی بنے۔ فتح مکہ کو ہی لے لیں فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار مجاہدین تھے وہ نصف گھنٹے میں بارہ ہزار مجاہد ہو گئے، اُن کی نمازیں بھی ابھی درست نہیں ہوتی تھیں، اُن سب کا اسلام بھی اسی طرح نامکمل تھا، نفس سے جہاد تو وہ کیا کرتے کہ اُن کو تو ''ایمان بنانے'' کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ اُن کو حکم دیا گیا کہ جنگ حنین کے لیے چلو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا اُن نو مسلم صحابہ رضی اللہ عنہم نے جہاد اصغر کیا تھا؟ یہ سب مسلمانوں کو غفلت میں ڈالنے کے بہانے ہیں اور اصطلاحات کے لغوی معنی کو شرعی معنی و مفہوم پر ترجیح دینے کا نتیجہ ہیں۔''

(بحوالہ: کتاب ''آبِ حیات'' از محمد صدیق احمد لیمبلیا، مطبوعہ الصفہ فاؤنڈیشن)

چند برس پہلے تک غیر مسلم مصنفین اور مستشرقین اِس جھوٹی روایت یعنی ''نفس کا جہاد جہادِ اکبر ہے'' کو مسلمانوں میں بڑے زور و شور سے عام کرتے تھے تا کہ غیر مسلم غاصبوں اور صلیبی افواج کے خلاف مسلمان جہاد نہ کریں۔ پھر اُنہی عیسائی مفکرین کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ہمارے ہاں کے روشن خیال اور سیکولر مفکرین، صحافی حضرات اور نیوز اینکر پرسن (News anchor persons) وغیرہ نے اِس جھوٹی روایت کو ٹی وی پر عام کیا۔ لیکن اب مغربی ممالک کے بعض حقیقت پسند عیسائی مفکرین پر اس روایت کا جھوٹ کھلا ہے تو وہ اِس جھوٹی روایت کو

''حدیث نبوی'' کہنے کی غلطی نہیں کر رہے۔یعنی اب ہمارے روشن خیال طبقے کے لیے اُن کے مغربی آقا کی طرف سے اِس جھوٹی روایت کے جھوٹا ہونے کا اقرار آ گیا ہے۔مثلاً شیخ اسامہ بن لادن کی زندگی پر لکھی جانے والی مشہور کتاب ''اُسامہ بن لادن'' (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2011ء نیویارک) کا مصنف اور مغربی مورخ مائیکل شوئر (Michael Scheuer) اپنی کتاب میں اِس جھوٹی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Jihad is a primarily military enterprise, because that is the way it is presented in the Koran and the sunnah. Some U.S. and Western government officials, journalists, and historians — abetted by the clerics of Arab regimes assigned to mislead them—labor hard to portray jihad as a vigorous but peaceful endeavor through which the individual Muslim struggles first to control himself and then to master his baser tastes and inclinations. These writers often cite a hadith claiming the Prophet spoke of a "greater jihad" and a "lesser jihad," considering the "greater" to be the individual struggle just described, and the "lesser" to involve specific military activity. This is an indefensible position. When mentioned in the Koran—which is God's word spoken to Gabriel, who repeats it to Muhammad—jihad is almost invariably used in a martial sense. Moreover, the hadith prized by the jihad-is-personal-struggle advocates is so poorly sourced".

''جہاد بنیادی طور پر عسکری اور جنگی عمل ہے کیونکہ قرآن اور حدیث میں اسی معنوں میں جہاد کو بیان کیا گیا ہے۔بعض امریکی اور مغربی ممالک کے حکومتی عہدیداروں، صحافی حضرات اور مؤرخین کے سامنے عرب حکومتوں کے درباری علماء نے اپنی اسلام کی غلط تشریحات سے اسلام کی غلط تصویر پیش کی۔ چنانچہ وہ مغربی مفکرین اس بات کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ جہاد دراصل پُر امن جدوجہد کو کہتے ہیں۔ایسے مغربی مفکرین اکثر ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے رسولؐ نے ''جہادِ اکبر'' (بڑا جہاد) اور ''جہادِ اصغر'' (چھوٹا جہاد) کی بات کی اور بڑے جہاد سے اپنے نفس کا تزکیہ مراد لیا جبکہ چھوٹے جہاد سے جنگ کرنا مراد لیا۔ یہ انتہائی کمزور

دعویٰ ہے۔قرآن خدا کا کلام ہے جو کہ جبرائیلؑ نے محمدؐ پر وحی کیا، اِس قرآن میں جب بھی جہاد کا ذکر آیا ہے اُس کے معنی ''جنگ کرنے'' کے ہیں۔مزید برآں، ''جہاد اصل میں اپنے نفس کا ہونا ہے'' کا نعرہ بلند کرنے والے جس حدیث کو پیش کرتے ہیں اُس کی سند نہایت کمزور ہے۔''

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کی روشنی میں نفس کا اصل جہاد کیا ہے؟ نفس کے جہاد سے مراد ہے اپنی جان سے جہاد کرنا اور اِس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص حق اور باطل کے معرکوں میں اپنی جان یعنی اپنے نفس کو مکمل طور پر جھونک دے۔اِس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تُجَاهِدُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ﴾ (سورہ الصف 11)

''جہاد کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنے نفس (اپنی جانوں) سے''

جہاد بالنفس عربی کا کلمہ ہے اور بالنفس ''ب'' پر داخل ہے گویا نفس کے ساتھ جہاد کرنا، یہ ایسا ہے جیسے بندوق یا کسی ہتھیار کو ساتھ لے کر جہاد کرنا یعنی جتنے آلات حرب وضرب ہیں۔ اِس پر ''ب'' داخل ہونے کے بعد یہی مطلب ہوتا ہے کہ اِن ہتھیاروں کے ساتھ مجاہد نے میدان جہاد میں کفار کا مقابلہ کیا۔اسی طرح جہاد بالنفس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس یعنی اپنی جان کو کفار کے مقابلہ میں استعمال کیا جائے۔اِس جملہ کا یہی مطلب صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے لیا۔حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ

والمجاهد من جاهد نفسه بنفسه (کتاب الجہاد لابن مبارکؒ)

''مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اسی نفس کے ذریعہ جہاد کرے''۔

کویا اپنے نفس کو میدانِ جہاد میں ڈال دے اور اُسے کفار کے مقابلہ میں استعمال کرے۔ یہ نفس کے ذریعے کفار کا مقابلہ کرنا بھی ہوگا اور اِس ضمن میں نفس کا مجاہدہ بھی کیونکہ نفس کا مجاہدہ اُس عمل سے ہوتا ہے جو نفس کی خواہشات کے خلاف ہو اور ظاہر ہے کہ میدانِ قتال میں جان ہتھیلی میں لے کر جانا نفس کو بہت ہی ناگوار معلوم ہوتا ہے جس ناگواری کی قرآن نے بھی گواہی دی ہے(سورہ البقرہ کی آیت 216 میں)۔اسی لئے جہاد سب اعمال میں افضل و برتر ہے (مسلم، ترمذی) اور جہاد کو اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین عمل بتلایا گیا ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ مجاہدِ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيْ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي

(مسند احمد، صحیح الجامع)

''اللہ تعالیٰ نے قیامت تک مجھے تلوار دے کر بھیجا ہے حتیٰ کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہونے لگے اور میرا رزق نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے۔''

[اس حدیث کو مصری محدث احمد شاکر نے صحیح الاسناد (121/7) کہا ہے۔شیخ البانی نے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ اِس حدیث کو صحیح الجامع (نمبر 2831) میں صحیح کا درجہ دیا ہے۔اسی طرح امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (509/15) میں اس حدیث کی سند کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔]

انسانی نفس کا کالا چور

ایک مسلمان جب بھی شیطان سے دھوکہ کھاتا ہے،اُس کے پیچھے دنیاوی زندگی کی محبت یا مال کی محبت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ مَّا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ﴾ (سورہ الاحزاب:4)

’’اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں رکھے ہیں۔‘‘

اس آیۂ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی بیک وقت رحمٰن کا بندہ اور اپنی خواہشات کا بندہ نہیں بن سکتا۔ اُس کے سینے میں دو دل نہیں ہیں کہ ایک دل میں اخلاص ہو اور دوسرے میں خدا سے بے خوفی۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک بندہ آخرت کی زندگی سے بھی محبت رکھتا ہو اور دنیا کی زندگی سے بھی شدید محبت کرتا ہو۔ اِس قلبی کیفیت کو قدرت اللہ شہاب صاحبؒ نے اپنے ایک خواب میں بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

ایک مرتبہ خواب میں مجھے ایک نہایت دلنواز اور صاحبِ جمال بزرگ نظر آئے جو احرام پہنے ایک عجیب سرور اور مستی کے عالم میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ میرا دل بے اختیار اُن کے قدموں میں بچھ گیا، وہ بھی مسکراتے ہوئے میری جانب آئے اور مطاف سے باہر حطیم کی جانب ایک جگہ مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور بولے: ’’میرا نام قطب الدین بختیار کاکی ہے۔ تم اِس راہ کے آدمی تو نہیں ہو لیکن جس دربارِ گہربار سے تمہیں منظوری حاصل ہوئی ہے، اُس کے سامنے ہم سب کا سرِ تسلیم خم ہے۔‘‘

قطب الدین بختیار کاکی صاحب نے ایک پیالہ ہمارے درمیان رکھا جس میں کھانے یا پینے کی کوئی چیز پڑی تھی۔ انہوں نے اچانک فرمایا: ’’تم یہ زندگی چاہتے ہو یا وہ زندگی؟‘‘ خواب میں بھی میرے دل کا چور انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا اور اُس نے مجھے گمراہ کیا کہ غالباً اِس سوال میں فوری طور پر موت قبول کرنے کی دعوت ہے یعنی دنیاوی زندگی چاہتے ہو یا آخرت کی زندگی؟ مجھے ابھی زندہ رہنے کا لالچ تھا۔ اِس لیے میں اپنے دل کے چور کی پیدا کی ہوئی بدگمانی کا شکار ہو گیا اور

میں نے اُن سے کہا: ”حضرت کچھ یہ زندگی چاہتا ہوں، کچھ وہ۔“

میرا یہ کہنا تھا کہ میرے بائیں پہلو کی جانب سے ایک کالے رنگ کا کتا جھپٹتا ہوا آیا اور آتے ہی سامنے پڑے ہوئے پیالے میں منہ ڈال دیا۔

قطب صاحب مسکرائے اور بولے: ”افسوس یہ مفت کی نعمت تمھارے مقدر میں نہیں، تمہارا نفس تم پر بُری طرح غالب ہے، اِس لیے مجاہدہ کرنا ہوگا۔“

(بحوالہ: شہاب نامہ مطبوعہ لاہور 1991ء)

یہاں پر قدرت اللہ شہابؒ نے بڑی گہری حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔ جب ایک مسلمان کے دل میں ”حب الدنیا و کراھیۃ الموت (سنن ابو داؤد) یعنی ”دنیاوی زندگی کی محبت اور موت سے نفرت“ پیدا ہو جاتی ہے تو جہاں کہیں اللہ کی راہ میں قربانی دینے کی سعادت یا کسی ”روحانی نعمت کا پیالہ“ اُس مسلمان کے نزدیک آتا ہے تو اُس مسلمان کے نفس کا کالا چور فوراً دم ہلاتا ہوا جھپٹ کر اُس میں منہ ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو اپنے دل کے تزکیہ کی ضرورت ہے تاکہ اس کے دل میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہو اور اُنہی کی خاطر قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہو۔

الغرض کہ انسان اِس دنیا سے اور اِس کی چیزوں اور دوستوں سے اِس لئے محبت کرتا ہے کیونکہ انسان اِس دنیا کو عیش اور آرام کی جگہ سمجھتا ہے حالانکہ آرام اُس کو پھر بھی نہیں نصیب ہوتا۔ انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ o (سورہ البلد:4)

”درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔“

ہم مسلمان یہ بھول گئے ہیں کہ یہ دنیا، محنت اور مشقت اور سختیاں جھیلنے کی جگہ ہے

اور کوئی انسان بھی اِس حالت سے گزرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جن امیر، دنیادار لوگوں کی ظاہری دولت اور آرام دہ زندگی کو دیکھ کر مسلمان رشک میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ بیچارے امیر دنیا پرست بھی اِس دنیا میں قدم قدم پر محنت، مشقت اور خطرات کے مرحلوں سے گزر رہے ہوتے ہیں چاہے میڈیا اُن امیروں کی اصلیت کو لوگوں سے چھپا تا پھرے۔ اُن امیروں کو ہر وقت اپنی دولت کی حفاظت کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اُن کی راتوں کی نیند اُڑی رہتی ہے۔ اُن امیروں کو اپنی بے پناہ دولت کی وجہ سے کسی پل چین نصیب نہیں ہوتا۔ یہ اِس دنیا کی خصلت ہے اور اِس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ امام احمد بن حنبلؒ کے بیٹے نے ایک مرتبہ اُن سے بڑی حسرت سے پوچھا تھا:

مَتٰى يَجِدُ الْعَبْدُ طَعَمَ الرَّاحَةِ؟

''انسان آرام وسکون کا ذائقہ آخر کب چکھتا ہے؟''

تو امام احمد بن حنبلؒ نے جواب دیا تھا:

عِنْدَ مَا يَضَعُ الْعَبْدُ اَوَّلَ قَدَمٍ لَهُ فِي الْجَنَّةِ وَقَبْلَ ذَالِكَ فَلَا رَاحَةَ

''جب بندہ اپنا پہلا قدم جنت میں داخل کرے گا تو اُسے راحت نصیب ہوگی اور اُس سے پہلے کوئی راحت اور سکون نہیں۔''

پھر انسان ایسی دنیا کی محبت میں کیوں گرفتار ہو جس میں کوئی بھی چین سکون کی نعمت سے بہرہ مند نہیں۔ اِس دنیا کی دولت فانی، اِس کے رشتے بتان وہم وگمان، انسان بذاتِ خود فانی۔ دنیا کی زندگی صرف ایک دفعہ ملتی ہے، پھر کیوں نہ یہ زندگی اللہ کے راستے میں لگا دی جائے۔

باب نمبر 4

وہ جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

موجودہ زمانے کی صلیبی افواج اور کفریہ طاقتیں باوجود اِس کے کہ اُن کے دل اسلام کے خلاف بغض وعداوت سے بھرے ہوئے ہیں مگر اُن کے ہاتھ رُکے ہوئے ہیں اور جتنا کچھ وہ مسلمانوں کے خلاف کر رہے ہیں یہ اُس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں کہ جتنا کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر اِس کی کیا وجہ ہے؟ حالات یہ بتاتے ہیں کہ اُنہیں اُن نوجوانوں کا ڈر ہے جو اب تک یورپ کے شراب اور رخسار کے اسیر ہونے کی بجائے حوروں کے عاشق ہیں۔ اُنہیں اُن سرفروشوں سے خوف ہے جو اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ملکوں اور سرحدوں کو پار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اُنہیں راہ حق کے اُن مسافروں سے خطرہ ہے جن کی زندگیوں کا مطمع نظر اُن کا معدہ نہیں ہے بلکہ اُن شہادت کے متلاشی مسافروں کو اپنے ربِ ذوالجلال کی بنائی ہوئی جنتوں کی تلاش ہے۔ کتاب کے اِس آخری باب میں ہم ایسے ہی نوجوانوں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ یہ نوجوان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے خون میں گردش کرتا تھا:

اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد و بارک وسلم

سچی بات یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے کئی مسلمان اپنی جان بچانے کے لیے اپنا ایمان گنوا دیتے ہیں لیکن اِن نوجوانوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے اپنی جان گنوا دی۔ اُنھوں نے صرف اپنا ایمان ہی نہیں بچایا بلکہ اُمت مُسلمہ کا ایمان بچانے کے لیے دجالی افواج سے جنگ کی۔ یہ نوجوان دنیا کے نشے میں نہیں ڈوبے بلکہ انھوں نے ایسا نشہ پیا کہ جو نشہ جنت میں جا کر بھی نہیں اترتا (یعنی شہادت کا نشہ کیونکہ شہداء ہی صرف وہ لوگ ہوں گے جو جنت کو چھوڑ کر واپس دنیا میں جا کر اللہ کے راستے میں دوبارہ شہید ہونے کی خواہش کریں گے)۔ یہ نوجوان یہ سمجھتے تھے کہ مقامِ بندگی کے تقاضے کچھ اور ہی ہیں۔ بقول اقبال:

چناں خود را نگہ داری کہ بااِیں بے نیازی ہا
شہادت بر وجود خود ز خون دوستاں خواہی
مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
زنوری سجدہ می خواہی زخاکی بیش ازاں خواہی

(زبورِ عجم)

(اے اللہ، اگر چہ تُو بے نیاز ہے لیکن چاہتا ہے کہ تیری توحید کی گواہی تیرے عاشق اپنے خون سے دیں۔

مقام بندگی اور ہے، مقام عاشقی اور ہے، بندگی کے اعتبار سے فرشتے سب سے آگے ہیں۔

اے اللہ، تُو اپنی نوری مخلوق (فرشتوں) سے تو صرف سجدہ چاہتا ہے، لیکن خاکی انسان سے تُو اِس سے کہیں بڑھ کر چاہتا ہے۔)

اِن نوجوانوں کو جنتوں کی تلاش تھی۔ اِنھیں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے لگی ہوئی

قندیلوں میں رہنے والے سبز پرندوں پر سواری کرنے کی خواہش تھی۔ اِن نوجوانوں کی یہ خواہش تھی کہ قبر میں اُن سے سوال نہ ہو اور قیامت کے روز جب صور پھونکا جائے تو اللہ کی تمام مخلوقات بے ہوش ہو کر گر پڑیں مگر یہ شہید نوجوان اُس وقت اللہ کی عرش کے گرد تلواریں پکڑ کر کھڑے ہوئے موجود ہوں۔ اِن نوجوانوں کی خواہش تھی کہ جب حق اور باطل کے درمیان میدانِ جنگ میں معرکہ بپا ہو تو آسمان سے حوریں اُن نوجوانوں کی اللہ کے لیے قربانی کا نظارہ کریں۔ یہ نوجوان دنیا کے حسن کے پیچھے بھاگنے والے نہ تھے بلکہ ایسے حسن کی تلاش میں تھے کہ جس کی خاطر دُلہا اپنی نئی نویلی دلہن کو حجلۂ عروسی میں چھوڑ کر میدانِ جہاد میں چلا جاتا ہے۔ یہ نوجوان اللہ کے راستے میں شہادت کے متلاشی تھے جو اللہ نے انھیں عطا فرمادی، ان شاءاللہ۔

چیچنیا میں اسلام کی تلوار: کمانڈر ابن الخطاب ؒ

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ o (سوره آل عمران: 142)

’’کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اُس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اُس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔‘‘

؎ یہ شہادت گاہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

یقیناً اُمتِ مسلمہ کے لئے قربانی دینے والوں میں سے ایک اہم ترین شخصیت چیچنیا میں مسلمانوں کے کمانڈر ابن الخطاب شہید کی تھی۔اُس نوجوان کا پورا نام سمیر صالح عبداللہ السویلم تھا اور اُس کی پیدائش سعودی عرب کے شہر ارار میں 1969ء میں ہوئی۔وہ بچپن سے ایک ذہین طالبعلم تھے جس نے سیکنڈری سکول میں 94 فیصد نمبر حاصل کیے۔وہ بچپن سے حضرت عمر بن خطاب کی شخصیت سے متاثر تھے،اِس لئے اُنھوں نے اپنے نام کے ساتھ ابن الخطاب لگالیا اور یہی اُن کی پہچان بن گیا۔ابن الخطاب کے بڑے بھائی منصور السویلم نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ابن الخطاب بچپن سے بلند عزائم رکھنے والا (ambitious) لڑکا تھا۔ابن الخطاب کو اپنے خاندان کے ہر فرد کی فلاح کی فکر رہتی تھی۔بہت رقیق القلب اور حساس تھے۔ہر کوئی اُن سے محبت کرتا تھا۔کسی نے اُنھیں کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔وہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنا پسند کرتے تھے۔بچپن میں ابن الخطاب کا خواب تھا کہ اُس کا ایک محل ہو جس کا اتنا بڑا گیراج ہو کہ اُس میں بیک وقت 5 گاڑیاں کھڑی ہو سکیں۔

1987ء میں صرف 18 برس کی عمر میں سمیر سویلم " ابن الخطاب روس کے خلاف جہاد کرنے کے لئے افغانستان چلے گئے۔1995ء میں ابن الخطاب نے ایک افغان ٹیلی ویژن پر چیچنیا کی جنگ کے متعلق سنا تو وہاں کا رختِ سفر باندھا۔وہاں پر کمانڈر ابن الخطاب نے روس سے جنگ کے دوران روسی افواج کو کئی مرتبہ بھاری نقصان پہنچایا جس کی وجہ سے روس کی خفیہ پولیس ابنِ خطاب کو شہید کرنے کے درپے تھی۔جب میدانِ جنگ میں کمانڈر ابن خطاب کو شکست دینے سے روسی عاجز آ گئے تو اُنھوں نے ایک دوسری چال چلی۔روسی خفیہ پولیس کو علم تھا کہ ابن الخطاب کو سعودی عرب سے اُن کی والدہ محترمہ کے خطوط آتے ہیں۔روسی خفیہ پولیس نے ابن الخطاب کی والدہ کا ایک خط راستے میں روک کر اُس پر نہایت مہلک زہریلی گیس کا پوڈر اس خط کے کاغذ پر لیپ کر دیا (تہہ اتنی باریک تھی کہ نظر نہیں آ رہی تھی) پھر ایک غدار مسلمان جاسوس کے ہاتھ وہ خط ابن خطاب کو بھیجا۔جب ابنِ خطاب نے ماں کا خط کھولا تو اُس کے پانچ منٹ کے بعد اُن کی شہادت واقع ہوگئی۔(فی مقعد صدق

عند ملیک مقتدر o) یہ 19 مارچ 2002ء کی بات ہے اور اُس وقت ابن خطاب کی عمر 32 سال تھی۔ ابن الخطاب کے بڑے بھائی منصور السویلم نے انٹرویو میں بتایا:

''میرا بھائی سمیر (ابن الخطاب) پچھلے 14 برس سے شہادت کی تلاش میں تھا۔ اُسے افغانستان میں وہ نہ مل سکی۔ پھر تاجکستان میں بھی نہ ملی۔ بالآخر چیچنیا میں اللہ نے اُسے یہ شہادت کی نعمت عطا فرمادی۔''

یہ بڑی دلچسپ بلکہ حیران کن بات ہے کہ جب ابن الخطاب آرامکو کے سکول میں چوتھی یا پانچویں کلاس کے طالب علم تھے تو انھوں نے اپنی کاپی میں یہ چند جملے لکھے تھے جو ہمیں اُن کی بلند ہمتی کے متعلق بہت کچھ بتاتے ہیں:

قطرة سمٌ تجعلک طریحاً لا تستطیع فعل ایِّ شیٍ، فاعلم اَنَّ ھٰذِہِ الحیاة فانیة لاخیر فیھا، وَ اِلَّا لما جعلتک تلک القطرة طریحا، فاختر لنفسک الطریق کي تموت في اَمْرٍ عظیم یجعلک ترفرف في الجنة، واحذراَنْ تموت فِي اَمْرٍ غیر معروف و قد تکون خاتمة سیئة.

''زہر کا ایک قطرہ تمھیں اِس طرح ختم کرسکتا ہے کہ تم کچھ کرنے کے قابل نہ رہو۔ جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی ختم ہوجانے والی ہے، اِس میں کوئی خیر نہیں ورنہ زہر کا ایک قطرہ تمہارا یہ حال نہ کردیتا۔ چنانچہ تم اپنے لئے کسی عظیم کام کی خاطر مرنے کا انتخاب کرلو تاکہ تم جنت کے اعلیٰ ترین مقامات حاصل کرسکو۔ اور گمنامی کی موت مرنے سے بچو اور ایسے معاملے میں مرنے سے بچو جس کا انجام برا ہو۔''

بڑی حیرت کی بات ہے کہ ابن الخطاب نے یہ سطور اپنی کاپی میں اُس وقت لکھی تھیں جب وہ چوتھی یا پانچویں کلاس کے طالب علم تھے۔ پھر تقریباً 23 سال کے بعد ابن الخطابؒ کی

شہادت زہر کے ایک قطرے سے ہی ہوئی۔ عین ممکن ہے کہ بچپن میں ابن الخطاب نے اپنی روح کے وجدان سے یہ بات لکھ ڈالی۔ کہا جاتا ہے: ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات''۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سچ ہی تو فرمایا ہے: وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ (سورہ آل عمران:140) (اللہ تعالیٰ نے تم میں سے شہداء کو چن لیا ہے۔)

ابن الخطاب کے بھائی منصور السویلم نے بتایا کہ کمانڈر ابن خطاب نے افغانستان پہنچنے کے بعد بہت تھوڑے سے عرصے میں ہی اعلیٰ جنگی مہارت حاصل کر لی تھی۔ جب مجاہدین نے جلال آباد سے روسی افواج کو مار بھگایا اور وہاں کے انٹیلی جنس آفس پر قبضہ کیا تو وہاں کی دشمن کی خفیہ سروس کے آفس میں پڑی ہوئی جاسوسوں کی جتنی بھی رپورٹس تھیں تقریباً اُن سب میں یہی لکھا ہوا تھا: ''خطاب نے یہ کہا، خطاب نے وہ کیا، خطاب نے فلاں جگہ پر کارروائی کی، خطاب کی کمانڈ میں مجاہدین نے یہ کیا، وغیرہ، وغیرہ''۔عربی زبان کا ایک محاورہ ہے: الفضل ما شهدت به الاعداء (حقیقی کمال اور ٹیلنٹ وہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں)۔چنانچہ دشمن کی خفیہ یاداشتوں سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ افغانستان میں صرف چھ سالوں کے اندر اندر نوجوان ابن خطاب اپنی اعلیٰ عسکری صلاحیتوں اور مقناطیسی شخصیت کی وجہ سے کتنے اونچے مقام پر پہنچ چکا تھا۔

کمانڈر ابن خطاب کے بھائی منصور سویلم ہی بیان کرتے ہیں کہ اُن کے والد شروع شروع میں ابن خطابؒ کے افغانستان جہاد کے لیے جانے پر راضی نہ تھے۔ایک مرتبہ کمانڈر خطاب نے اپنے گھر والوں کو افغانستان میں روسیوں سے جہاد کے دوران بنی ہوئی بعض ویڈیوز کو ایک جگہ جمع کر کے ایک ویڈیو فلم پر ڈال کر بھجوایا تو اُن ویڈیوز کو دیکھنے سے پہلے ابن خطاب کے والد نے اپنے بیٹے منصور السویلم سے کہا:

''بیٹا!تم اپنے بھائی ابن الخطاب کو کیوں اِس بات پر راضی نہیں کرتے کہ وہ افغانستان کو چھوڑے اور سعودی عرب واپس آجائے۔ میں اُسے ایک بنگلہ خرید

کردوں گا اور اُس کی شادی بھی ایک خوبصورت لڑکی سے کروا دوں گا۔''

پھر اُن کے والد نے وہ ویڈیو دیکھی جس میں دیکھا کہ اُن کا بیٹا کس طرح افغان نوجوانوں کو کمانڈ کر رہا ہے اور روسی افواج کی پٹائی کر رہا ہے تو کمانڈر ابن الخطاب کے والد کی رائے میں انقلاب آ گیا۔انھوں نے اپنے بیٹے منصور السویلم سے کہا:

''اگر وہ (ابن الخطاب) اِس جہاد کو چھوڑ کر واپس آ گیا تو وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا۔''

چیچنیا میں جہاد کی ابتدا کرنے سے پہلے کمانڈر ابن الخطاب ایک رپورٹر کے رُوپ میں وہاں گئے اور وہاں کے لوگوں سے وہاں کے حالات دریافت کئے۔چیچنیا کی ایک بوڑھی مسلمان خاتون نے ابن خطاب کو بتایا کہ چیچنیا کے لوگ آزادی کے ساتھ نماز، روزہ کرنا چاہتے ہیں لیکن روس نے وہاں کے مسلمانوں پر (جنھوں نے چیچنیا میں شریعت نافذ کی ہوئی ہے) حملہ کر دیا ہے۔کمانڈر ابنِ الخطاب نے اُس بوڑھی خاتون سے پوچھا کہ وہ اِس جہاد کے لیے کیا قربانی دے سکتی ہیں تو اُس بوڑھی چیچن خاتون نے کہا: ''میرے پاس صرف پہننے کی یہ جیکٹ ہے (کیونکہ چیچنیا میں سردی بہت ہوتی ہے) اور یہی میں اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے صدقہ کرتی ہوں''۔ یہ سن کر کمانڈر ابن خطابؒ اِس قدر روئے کہ اُن کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔اُس کے بعد کمانڈر ابن خطاب نے چیچنیا میں جہاد کا علم سنبھال لیا۔

اُن کے ایک مجاہد ساتھی نے نوجوان ابن خطاب (جو اپنے پہلے تربیتی کیمپ جلال آباد میں پہنچے تھے) کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جلال آباد کے نزدیک یہ تربیتی کیمپ اُن مجاہد ساتھیوں سے بھرا ہوا تھا جو کہ تقریباً روزانہ نئے پہنچتے اور ٹریننگ حاصل کر کے چلے جاتے۔ہم اُن دِنوں روسیوں کے خلاف ایک بڑے حملے کی تیاری کر رہے تھے۔وہ مجاہد جو اپنی تربیت مکمل کر چکے تھے اپنے اپنے پیک تیار کرنے کے بعد فرنٹ لائن پر پہنچنے کیلئے روانہ ہو رہے تھے۔ہم بھی تربیت کے بعد فرنٹ لائن پر پہنچتے

کیلئے کیمپ چھوڑنے کی تیاری کر رہے تھے کہ نئے بھائیوں کا ایک گروپ آ پہنچا۔ میں نے اُس گروپ میں لمبے بالوں اور کشادہ پیشانی والے 18-17 سال کی عمر کے ایک نوجوان کا جائزہ لیا۔ اُس نوجوان کو جونہی فرنٹ لائن پر جانے والے ہمارے قافلے کا علم ہوا تو یہ نوجوان تربیتی کیمپ کے کمانڈر کے پاس چلا گیا۔ اور اُس سے التجاء کرنے لگ گیا کہ اُسے بھی فرنٹ لائن پر جانے والے اُس گروپ کے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے۔ لیکن کمانڈر نے بغیر تربیت کے اُسے فرنٹ لائن پر بھیجنے سے انکار کر دیا۔ میں اُس نوجوان سے بہت متاثر ہوا، اُس کے پاس گیا اور اُسے تھپتھپا کر حوصلہ دیا، میں نے اُس سے اُس کا نام دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا: ''ابن الخطاب ۔''

عظیم اساتذہ سے تربیت پانے کے بعد ابن خطاب آئندہ چھ سالوں میں مجاہدین کے منتخب بہادر اور تجربہ کار کمانڈروں کی صف میں شامل ہو چکے تھے جنہوں نے دشمن کو ناکوں چنے چبوائے اور ہر محاذ پر روسی افواج کو ہزیمت سے دوچار کیا۔ وہ روسی افواج کے خلاف ایمبش اور حملوں سے لے کر تقریباً ہر بڑے آپریشن، فتح جلال آباد، فتح خوست اور فتح کابل میں شامل رہے۔

ابن خطاب میدان جہاد میں بسا اوقات موت کے ہاتھوں بال بال بچے۔ ایک دفعہ اُن کے پیٹ میں 12.7mm ہیوی مشین گن کی گولی لگ گئی۔ (یاد رہے کہ یہ گن بکتر بند گاڑیوں کو نقصان پہنچانے اور دشمن کی مضبوط مورچہ بندیوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے) چنانچہ اُن کے دوست نے یہ واقعہ بتلاتے ہوئے کہا: ''ایک آپریشن کے دوران ہم چند ساتھی خط ثانی پر ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ شام کے دھندلکے کا وقت تھا اور خط اول پر لڑائی شدت سے جاری تھی۔ اسی اثناء میں خطاب کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کا چہرہ زرد دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ نارمل ہونے کی کوشش کر رہا ہو، وہ دیوار کے ساتھ چلتا ہوا ہمارے سامنے بیٹھ گیا اور خلاف معمول دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ ساتھیوں نے محسوس کیا کہ اُس

کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ہم نے اُس سے پوچھا کہ کہیں وہ زخمی تو نہیں ہوگیا؟ 'نہیں' اُس نے مختصر سا جواب دیا۔ اُس نے مزید بتایا کہ آج صبح خط اول پر لڑائی کے دوران معمولی فائر لگ گیا تھا جو زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ بھائیوں نے خطاب سے کہا کہ وہ اُنہیں زخم دکھائے لیکن خطاب نے زخم دکھانے سے انکار کردیا۔ جب ایک بھائی کے مزید اصرار پر اُس نے اپنا زخم دکھایا تو ہم نے دیکھا کہ فائر لگنے سے جسم پھٹ چکا تھا اور کپڑے خون میں بھیگ رہے تھے۔ تب ہم نے ایک گاڑی کا انتظام کر کے اُسے جلدی سے نزدیکی فیلڈ ہسپتال میں پہنچایا جبکہ وہ مسلسل کہے جا رہا تھا کہ فائر معمولی ہے اور زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے۔'

1995ء کے آغاز میں روس چیچنیا کے خلاف اپنی پہلی جنگ کا آغاز کر چکا تھا۔ چیچنیوں کے اسلام سے والہانہ لگاؤ اور دینی وابستگی کی وجہ سے ہر کوئی اِس جنگ سے مضطرب نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ افغانستان سے خطاب اپنے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ چیچنیا کیلئے روانہ ہوئے اور 1995 کے موسم بہار میں چیچنیا پہنچے۔ جہادِ چیچنیا میں شرکت کے ابتدائی چار سالوں کے دوران ابن خطاب نے شجاعت و دلیری کے وہ کارنامے سرانجام دیئے کہ اُن کے افغانستان اور تاجکستان جہاد کے کارہائے نمایاں ہیچ معلوم ہونے لگے۔ روسی حکومت کی ایک سرکاری دستاویز کے مطابق اُن چار سالوں میں چیچنیا میں اِس قدر روسی فوجی مارے گئے کہ دس سالہ افغان جنگ میں اتنے روسی فوجی نہیں مارے گئے تھے۔

ابن الخطاب جب چیچنیا پہنچے تو اُن کے مزید کچھ ساتھی بھی چیچنیا چلے آئے اور انہوں نے مل کر چیچنیوں کی جنگی تربیت اور دینی رہنمائی کیلئے ایک تربیتی کیمپ کی بنیاد رکھی۔ اُن مجاہدین نے چیچنیا میں روس کے خلاف کئی ایک خطرناک ترین کاروائیاں کیں مثلاً آپریشن شرناشوئی 1995ء، آپریشن شاتوئی 1996ء، آپریشن یشم دے 1996 اور روس کے اندر کیا جانے والا داغستان آپریشن 1997، 1999۔

1996ء کے موسم خزاں میں روسی فوج کی چیچنیا سے پسپائی کے بعد باضابطہ طور پر اُنہیں چیچنیا کا قومی ہیرو تسلیم کرنے کا اعلان کیا گیا اور ایک تقریب میں، جس میں چیچن جہاد کے انتہائی نامور اور تجربہ کار کمانڈر شامل بسایوف اور سلمان رادیوف شہید موجود تھے، اُنہیں ایک میڈیل پہنایا گیا اور فوج میں جنرل کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ اُس کے علاوہ اُنہیں چیچن، جانبازوں کے مرکزی تربیتی کیمپ کا کمانڈر بھی مقرر کیا گیا۔ وہ مجلس شوریٰ میں اشکیر یا بسایوف کے نائب اور انٹرنیشنل اسلامک بریگیڈ کے امیر بھی تھے۔

امیر ابن الخطاب کی ایک انتہائی دلیرانہ کارروائی 16 اپریل 1996 کو کیا جانے والا آپریشن شاتوئی تھا۔ اِس کارروائی میں انہوں نے صرف 50 مجاہدین کے ہمراہ چیچنیا سے روس جانے والے ایک فوجی قافلے پر گھات لگا کر حملہ کیا۔ روسی فوجیوں کا یہ قافلہ 50 گاڑیوں اور مع سازوسامان کے واپس جا رہا تھا۔ جونہی قافلہ گھات میں آیا، مجاہدین قافلے پر ٹوٹ پڑے اور اُنہوں نے ہلکے و بھاری ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کرتے ہوئے سینکڑوں روسی فوجی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ حملہ اِس قدر تیز اور شدید تھا کہ کسی روسی فوجی کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور سبھی اپنی 50 کے قریب گاڑیوں سمیت اڑ گئے۔ اُن کی لاشیں دور دور تک بکھری پڑی تھیں۔ روسی فوجی ترجمان کے مطابق اِس حملے میں 223 روسی فوجی مارے گئے جن میں 26 سینئر آفیسر بھی شامل تھے۔ اِس آپریشن میں صرف 5 جانباز شہید ہوئے۔ مجاہدین نے اِن تمام آپریشنز کو فلما لیا اور اُسے انٹرنیٹ پر چھوٹے چھوٹے ویڈیوز اور تصاویر کی شکل میں محفوظ کر دیا۔ اِس آپریشن کی وجہ سے دو یا تین روسی جنرلوں کو نوکری سے نکالا گیا اور روس کے صدر بورس یلسن کو پارلیمنٹ میں اس حملے کی تفصیلات سنانی پڑیں۔

بہت سے چیچن اُنہیں اُن کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اپنے دور کے خالد بن ولید سے تشبیہ دیتے تھے۔ وہ موت پر پختہ یقین رکھتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے موت اسی وقت آئے گی جو اللہ نے میرے لئے لکھ دیا ہے، کوئی اُسے آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔

ابن خطاب میڈیا وار پر نہ صرف یقین رکھتے تھے بلکہ اُس پر زور دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے، جس طرح یہ ملحد اور دہریہ قسم کے لوگ اپنے میڈیا اور پروپگنڈے کے ذریعے ہم سے لڑائی کرتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی اپنے میڈیا اور پروپگنڈے کے ساتھ اُن کا جواب دینا چاہیے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ جس طرح وہ (کافر) لوگ تم سے لڑائی کرتے ہیں تم بھی اسی طرح ان کے خلاف لڑائی کرو۔ اُن کا نقطہ نظر تھا کہ دشمن کے غلط پروپیگنڈے کا جواب صرف الفاظ سے نہیں دیا جاسکتا بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ ویڈیو کاروائی دشمن کے پروپیگنڈے کا زیادہ موثر اور بہترین جواب دے سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی کمان میں کئے جانے والے ہر مشن اور کاروائی کو فلمایا گیا اور اُسے منظر عام پر لایا گیا تاکہ دشمن کے پروپگینڈے کا موثر توڑ کیا جاسکے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُن کے پاس افغانستان، تاجکستان اور چیچنیا کی کاروائیوں کی سینکڑوں ویڈیوز ایک لائبریری کی صورت میں محفوظ تھیں۔ اگست 1997 میں اُن کی زیرِ قیادت کیے گئے داغستان آپریشن میں مجاہدین نے بے شمار اور سینکڑوں کی تعداد میں روسی فوجیوں کو واصل جہنم کیا۔ اس مشن کی پوری کاروائی ایک طویل ویڈیو کی صورت میں اُن کے پاس محفوظ تھی۔ جب روس نے یہ دعویٰ کیا کہ اُس حملے میں اُس کے صرف 40 فوجی ہلاک ہوئے ہیں تو جواباً چیچن ٹی وی نے اِس مشن کی مکمل ویڈیو نشر کردی جس میں سینکڑوں روسی فوجیوں کی لاشوں کو جنگل میں دور دور تک بکھرے دکھایا گیا تھا۔ اس ویڈیو کے نشر ہونے سے روس میں کہرام مچ گیا اور پورا روس سوگ میں ڈوب گیا۔

ایک مرتبہ کمانڈر ابن خطاب نے دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے ایک پیغام میں کہا:

''بنیادی چیز جو تمام مسلمانوں کو جہاد میں شامل ہونے سے روکتی ہے وہ اُن کے گھرانے ہیں۔ ہم سب لوگ جو یہاں آئے ہیں اپنے گھر یا روالوں کی اجازت کے بغیر ہی آئے ہیں۔ اگر ہم اُن کی بات مان لیں اور واپس چلے جائیں (یا اُن

سے اجازت مانگنے کا انتظار کریں) تو کون یہ کام کرے گا اور اسے آگے بڑھائے گا؟ پچھلے 12 سال سے میں نے اپنی والدہ کو نہیں دیکھا۔ اکثر و بیشتر میں اپنی والدہ کو فون کرتا ہوں اور اب بھی وہ مجھ سے واپس آجانے کو کہتی ہیں لیکن اگر میں واپس چلا جاؤں تو کون اِس جدوجہد کو جاری رکھے گا۔''

ابن خطاب کا مشن روس سے اُس وقت تک لڑائی کرتے رہنا تھا جب تک وہ قفقاز سے لے کر وسطی ایشیا تک کی ریاستوں کے مسلم خطے کا چپہ چپہ خالی نہ کردے۔ ابن الخطاب روسیوں کیلئے موت کا پیغام تھے اور روسی فوج کیلئے اُن کا نام خوف کی علامت بن چکا تھا۔ میدان جہاد میں انہوں نے روسیوں کو ناکوں چنے چبوائے اور ہمیشہ اسے ہزیمت اٹھانے پر مجبور کیا۔ روسی فوج اور اُن کی خفیہ ایجنسیوں نے اُنہیں دھوکے سے شہید کروانے کی کئی مرتبہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکیں۔ آخر کار ان کی ایک کوشش رنگ لے آئی اور روس کی ایک خفیہ ایجنسی FSB نے ایک شخص ابراہیم الاوری (جو منافق تھا اور بک چکا تھا) کے ذریعے اُنہیں جانے والا ایک خط حاصل کیا اور اسے کیمیکل لگا کر اُس زرخرید شخص کے ہاتھ دوبارہ روانہ کردیا۔ جب الاوری نے یہ خط اُنہیں دیا تو وہ اپنی مصروفیت کے باعث اُسے نہ پڑھ سکے اور رکھ دیا۔ بعد ازاں افطاری کرنے کے دوران جب اُنہوں نے اُس زہریلے خط کو پڑھنے کیلئے کھولا تو خط پر زہریلا کیمیکل لگنے سے اُن کی طبیعت بگڑنے لگی اور اگلے روز صبح کی نماز ادا کرنے کے فوراً بعد ابن خطاب نے سجدے میں جا کر تین دفعہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا اور اُس کے بعد وہ شہید ہوگئے۔

اُن کی شہادت کے بعد روسی خفیہ ایجنٹوں کے حملے سے بچنے کیلئے سخت حفاظتی حصار میں اُنہیں چیچنیا کے ایک پہاڑی سلسلے میں دفن کیا گیا اور قبر کے نشانات کو چھپا دیا گیا اور اُن کی تدفین کے وقت صرف اُن کے قریبی دوست اور مجاہدین کی چند ذمہ دار شخصیات موجود تھیں اور عام افراد کو بھی قبر کے بارے میں آگاہ نہیں کیا گیا۔ اس طرح وہ نوعمر مجاہد جو کہ سعودی

عرب سے صرف اٹھارہ سال کی عمر میں جہاد کیلئے نکلا اور چودہ سال تک ملحدوں، دہریوں اور مشرکوں کیلئے موت کا کوڑا بن کر برستا رہا، عبداللہ بن ابی اور ابن علقمی کے ایک وارث ہاتھوں شہادت کے بعد چیچنیا کے ایک ویران پہاڑی سلسلے میں محوِ راحت ہے۔

قیامت کے روز انسان انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے

یہ کتنی دلچسپ بات ہے کہ چیچنیا میں مسلمانوں کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے سعودی النسل سامی السویلم یعنی کمانڈر ابن الخطاب کو حضرت عمرؓ بن خطاب سے اتنی محبت تھی کہ اُنھوں نے اپنا نام ہی بدل کر ابن الخطاب رکھ لیا۔ کمانڈر ابن الخطاب اسلام کے دشمنوں کے خلاف بھی حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرح نہایت سخت تھے۔

اللہ کی شان ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب پر ایرانی مجوسی غلام ابولولو فیروز نے جس خنجر سے قاتلانہ حملہ کیا تھا، ابولولو نے اُس خنجر پر زہر لگایا ہوا تھا۔ اُسی زہر کے اثر سے حضرت عمرؓ بن خطاب کی شہادت واقع ہوئی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ بن خطاب کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حجاج بن یوسف نے زہر سے شہید کیا۔ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو حجاج بن یوسف کے ایک غلام نے زہر آلود نیزہ نہایت خاموشی سے لوگوں کے ہجوم کے درمیان عبداللہ بن عمرؓ کے پاؤں کی ایڑھی میں چبھو دیا جس سے زہر اُن کے جسم میں داخل ہو گیا اور بالآخر اُسی زہر کے اثر سے وہ شہید ہو گئے۔

حضرت عمر بن خطاب کے نواسے پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شہادت بھی زہر کی وجہ سے ہوئی جبکہ اُن کی خلافت کے دوران اُن کے عدل و انصاف سے تنگ آکر

خاندانِ بنو امیہ نے سازش کر کے عمر بن عبدالعزیز کے غلام کو کہہ کر اُن کے کھانے میں زہر ڈلوا دیا۔ اُس زہریلے کھانے کے اثر سے عمر بن عبدالعزیز کی شہادت واقع ہوئی۔

بالکل اُسی طرح حضرت عمر بن خطاب سے بے پناہ محبت کرنے والے سعودی النسل مجاہد اور چیچنیا میں مسلمانوں کے شیر یعنی کمانڈر ابن الخطاب کو روس کی کفار فوجوں نے میدانِ جنگ میں شہید کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن وہ ناکام رہے۔ بالآخر روس کے کفار نے دھوکہ دہی کا راستہ اپنایا۔ کمانڈر ابن الخطاب کو روس کی خفیہ سروس نے ایک خط پر زہر آلود مادہ (nerve toxin) لگا کر بھیجا۔ اُس خط کو اپنے ہاتھ میں پکڑنے کی وجہ سے (جبکہ آپ ساتھ ساتھ افطاری بھی کر رہے تھے) اُس تیز زہر کے اثر سے چند گھنٹوں کے بعد کمانڈر ابن الخطاب کی شہادت واقع ہوگئی۔ تو گویا حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح کمانڈر ابن الخطابؒ کی شہادت بھی زہر کے اثر سے ہی ہوئی۔ سچ فرمایا ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

اَلْمَرءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (ترمذی۔ حدیث حسن صحیح)

(انسان قیامت کے روز اُن ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے محبت کرتا ہے۔)

شیخ عبداللہ العزام: بیسویں صدی میں جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء کرنے والے

شیخ عبداللہ یوسف عزام کی پیدائش 1941ء میں مقبوضہ فلسطین کے صوبہ جنین کے ایک گاؤں ''سیلہ حارثہ'' میں ہوئی۔ آپ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جس میں اُنھیں دینِ اسلام کی بنیادی تعلیم اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سکھائی گئی۔ شیخ عزام نے بچپن سے ہی اسلام کی تبلیغ کو اپنا مقصد بنالیا تھا۔ اپنے ہم عمروں میں وہ

ایک متقی لڑکے کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔

شیخ عبداللہ عزام اپنے بچپن سے ہی اٹل ارادوں کے مالک اور سنجیدہ فطرت والے تھے۔ سیکنڈری تعلیم کی اپنے گاؤں سے تکمیل کر کے الخدوری ایگریکلچرل کالج سے ڈپلومہ حاصل کیا حالانکہ اپنی جماعت میں آپ سب سے کم عمر تھے لیکن سب سے زیادہ ذہین تھے۔ پھر آپ نے دمشق یونیورسٹی کے شریعہ کالج سے شریعت (اسلامی قانون) میں بی اے کی ڈگری 1966ء میں حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ ازھر میں ''علومِ شریعت'' میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

شیخ اتنے باصلاحیت تھے کہ 1969ء میں ایم اے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور اسی سال صیہونی ریاست کے خلاف جہاد بھی کیا۔ 1969ء میں معرکہ 'حزام اخضر' اور 1970ء میں معرکہ 'حزیران' میں عبداللہ عزام بذات خود شریک ہوئے اور دشمن کو کاری ضرب لگائی۔ علم، دعوت، تربیت، تزکیہ اور جہاد کا سلسلہ جامعہ ازھر سے اصول الفقہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری (1973ء) حاصل کرنے تک برابر جاری رہا۔

اردن میں سات برس سرکاری محکمہ تدریس میں اپنی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا مشن جاری رہا۔ ڈاکٹر شیخ عبداللہ عزام ایک بے مثال مُبلغ تھے۔ دین اسلام کے مشکل مباحث کو عام مسلمان کے لیے انتہائی آسان پیرائے میں بیان کر دینے کی زبردست صلاحیت رکھتے تھے۔ اُردن میں اس دور میں یاسر عرفات کی تنظیم ''الفتح' کیلئے یہ سہولت تھی کہ وہ فلسطینی نوجوانوں کو وہاں عسکری تربیت دے۔ ڈاکٹر شیخ عبداللہ عزام نے خود بھی عسکری تربیت اردن میں حاصل کی تھی اور آپ کی دعوت پر دسیوں نوجوانوں نے بھی عسکری تربیت حاصل کی تھی۔ بعد ازاں مغربی ممالک اور امریکہ کے دباؤ پر اردن نے یہ سہولت موقوف کر دی تھی۔

مصر میں قیام کے دوران شیخ عبداللہ عزام نے سید قطب شہید کے اہل خانہ کے ہاں آنا جانا رکھا اور اُن کی اپنی بساط کی حد تک خبر گیری کرتے رہے۔ شیخ عبداللہ عزام نے فلسطین کے لیے یاسر عرفات کی قیادت میں جہاد میں کافی وقت گزارا۔ لیکن شیخ عبداللہ عزام وہاں پر معاملات میں گڑبڑ دیکھ رہے تھے جس سے اُن کا دل مطمئن نہ تھا۔ شیخ عزام نے دیکھا کہ جو لوگ یاسر عرفات کی قیادت میں فلسطین کی آزادی کے لیے ''جہاد'' میں مصروف تھے اُن کی زندگیاں اسلام سے بہت دور تھیں۔ وہ عرب لوگ راتوں کو مل کر تاش کھیلتے تھے اور موسیقی سنتے تھے اور اِس خوش فہمی کا شکار تھے کہ وہ فلسطین کی آزادی کے لیے ''جہاد'' کر رہے ہیں۔ شیخ عبداللہ عزام نے نوٹ کیا کہ اُن ہزاروں ''حریت پسندوں'' اور جمہوریت کے جیالوں'' میں سے باجماعت نماز پڑھنے والوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا یعنی وہ بہت تھوڑے تھے۔ شیخ عزام نے اُن لوگوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات کی طرف لانے کی کوشش کی لیکن وہ لوگ اپنے طریقوں پر اڑے رہے۔ ایک روز شیخ عزام نے یاسر عرفات کے پیروکاروں میں سے ایک ''مجاہد'' سے بلا جھجک پوچھا کہ آپ لوگوں کا فلسطین کی جدوجہد آزادی کے پیچھے مذہب کیا ہے؟ تو اُس شخص نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں جواب دیا: ''اِس جدوجہد کے پیچھے کوئی مذہب نہیں ہے، یہ صرف یہودیوں کے خلاف عرب قومیت کی جنگ ہے۔''

یہ جواب سن کر شیخ عزام نے فیصلہ کر لیا کہ:

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ (سورہ الکھف: 78)

''بس میرا اور تمہارا ساتھ اب ختم ہوا۔''

شیخ عبداللہ عزام صحیح مسلم کی اِس حدیث سے بخوبی واقف تھے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو شجاعت اور بہادری کے لیے لڑتا ہے، کوئی حمیت قومی (نیشنلزم یا صوبائی عصبیت) کے لیے اور کوئی دکھاوے کے لیے

لڑتا ہے۔اُن میں سے راہِ خدا میں لڑانے والا کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس نے اللہ کے حکم کو بلند و بالا کرنے کے لئے لڑائی کی پس وہی فی سبیل اللہ لڑنے والا شمار ہوگا''۔(صحیح مسلم)

چنانچہ شیخ عزام فلسطین کو چھوڑ کر سعودی عرب چلے گئے۔شیخ عبداللہ عزام 1970ء سے لے کر 1979ء تک کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی (جدہ) میں تدریس سے وابستہ رہے۔حسنِ اتفاق سے شیخ اسامہ بن لادن اِسی یونیورسٹی میں 1976ء سے 1981ء تک زیرِ تعلیم رہے۔ چنانچہ یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ جدہ میں اپنے قیام کے عرصے میں شیخ عبداللہ عزام نے اسامہ بن لادن کو ضرور متاثر کیا ہوگا۔ بہر حال شیخ عبداللہ عزام کو اندازہ ہوگیا تھا کہ امت مسلمہ اپنے کھوئے ہوئے عالمی وقار کو اب صرف جہاد کے ذریعے ہی واپس لاسکتی ہے کیونکہ غیر مسلم اقوام کے لیڈر جن کے لیے قرآن نے ''مَلَاء'' کا لفظ استعمال کیا ہے وہ صرف ایک ہی زبان سمجھتے ہیں اور وہ ہے ''جہاد کی زبان''۔جو رسول یا نبی بھی تاریخ انسانی میں اُن اللہ کے نافرمان باغی سرداروں اور لیڈروں کے پاس بھیجا گیا، انھوں نے اُسے جھٹلایا اور آخر میں صرف ڈنڈے کی زبان سمجھے۔سورہ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''پھر ان قوموں کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انھوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا، پس دیکھو کہ ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔'' (سورہ الاعراف:103)

1980ء میں جب کہ شیخ عزام سعودی عرب میں ہی مقیم تھے، اُنھیں حج کے موقع پر افغان مجاہدین کے ایک وفد سے ملاقات کا موقع ملا۔یہ وفد حج کرنے آیا ہوا تھا۔بہت جلد ہی شیخ عزام نے اپنے دل کو اُس وفد کی طرف مائل پایا اور اُن سے افغانستان میں روس کے خلاف تازہ جہاد کے متعلق مزید معلومات حاصل کیں۔ جب اُنھیں افغانستان میں ہونے والے جہاد کے متعلق پوری معلومات حاصل ہوئیں تو شیخ عزام کو محسوس ہوا کہ یہی وہ مقصد

تھا جس کی وہ عرصہ دراز سے تلاش میں تھے۔لہٰذا شیخ عزام نے سعودی عرب سے پاکستان ہجرت کرلی۔وہاں شیخ عبداللہ عزام، اسلام آباد میں بین الاقوامی یونیورسٹی میں تعینات ہوئے اور ساتھ ہی جہادِ افغانستان میں عملی طور پر شریک ہوگئے۔تعطیلات میں پشاور چلے جاتے اور جہادی عمل کو منظم کرتے۔جلد ہی ارباب روڈ، پشاور کی مسجد میں جمعہ کا اہتمام ہوگیا۔شیخ نے فتویٰ دیا کہ اسلامی خطوں کا دفاع اہل اسلام کی اولین ترجیح ہے۔1979ء کے بعد سے آپ کی سرگرمیوں کا ایک ہی محور رہا،مسلم اراضی کا دفاع بذریعہ جہاد۔

سوویت یونین کی بڑھتی قوت کے آگے بند باندھنا،امریکہ اور سعودی عرب دونوں کے مفاد میں تھا۔ اب سعودی عرب اور خلیجی ممالک کی مجبوری ہوگئی تھی کہ شیخ کو جہادِ افغانستان کے لیے مجاہدین اور پیسہ جمع کرنے کا پورا موقع فراہم کریں۔عالم عرب میں شیخ نے اپنے خطبات اور دروس کے ذریعے ہزاروں نوجوانوں کو افغانستان کی طرف ہجرت اور جہاد کی طرف راغب کیا۔شیخ عزام نے خود بہ نفس نفیس افغانستان میں جاکر جہاد کیا۔اِس جہاد میں اُنھیں قلب کا وہ سکون مل گیا جس کی عرصہ دراز سے تلاش میں تھے۔کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث فرمایا تھا:

قِيَامُ الرَّجُلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سَاعَةً اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ (ابن عدی، ابن عساکر عن ابی ہریرۃ 4/6165)

''جوشخص **جهاد في سبيل الله** کے لیے میدان جنگ میں ایک گھنٹہ کھڑا ہوا تو یہ ساٹھ سال (60) تک نماز میں کھڑا رہنے سے افضل ہے۔''

[شیخ البانی نے صحیح الجامع الصغیر میں اس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے]

اِس حدیث سے متاثر ہوکر شیخ عبداللہ عزام اپنے پورے گھرانے یعنی بیوی بچوں کو پشاور میں لے آئے تاکہ وہ جہاد اور شہادت کی سرزمین سے قریب ہوں۔پشاور میں اُن

کے زیرِ سایہ ''بیت الانصار'' کا قیام عمل میں آیا جس میں پوری دنیا سے آنے والے مجاہدین کی تربیت کر کے اُنھیں افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

جہاد اور شہادت کے شوق میں شیخ عزام نے خود کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ وہ کبھی افغانستان کے ایک خطے میں نہیں ٹھہرے بلکہ لوگر، قندھار، ہندوکش کے پہاڑی سلسلے، پنج شیر کی وادی، کابل، جلال آباد، کبھی جگہوں کے دورے کیے اور وہاں پر عام افغانی مجاہدین اور شہداء کے عظیم کارناموں سے روشناس ہوئے جنھیں اپنی کتاب ''آیاتُ الرَّحمٰن فِی جِہادِ افغانستان'' (جہادِ افغانستان میں اللہ کی نشانیاں) میں رقم طراز کیا۔ اِس کے علاوہ بھی شیخ عزام نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ گو کہ اُن کی عمر اس وقت 40 سال سے زیادہ تھی پھر بھی شیخ عزام نے افغانستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا سفر کیا۔ کبھی برفوں میں، کبھی چلچلاتی دھوپ میں، کبھی پہاڑوں پر اور کبھی میدانوں میں، کبھی گدھوں پر سوار ہو کر اور کبھی پیدل چل کر، شیخ عزام کی ہمراہی میں جوان لوگ کبھی اُن سفروں سے تھک جاتے تھے لیکن آپ اُس مشقت سے کبھی نہ تھکے۔

بحوالہ: ایقاظ سہ ماہی۔ ''عبداللہ عزام: موسس جہاد عالمی'' صفحہ 270-259 (جولائی تا دسمبر 2011)

سوویت یونین کی شکست میں دلیر افغان قوم کے ساتھ عرب مسلم قائدین اور غیر افغانی مجاہدین کا بھی ناقابلِ فراموش کردار ہے۔ شیخ عبداللہ العزام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے اُنہوں نے عالم اسلام کی توجہ اِس طرف مبذول کرائی۔ اتنا بڑا کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے شیخ عبداللہ عزام کے ہاتھوں تکمیل ہونا تھا۔

شیخ عبداللہ عزام کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے مفکر محمد زکریا خاں صاحب لکھتے ہیں:

''ہجرت اور جہاد کے سلسلے میں شیخ عبداللہ عزام نے اپنے ایک نکاتی ایجنڈے پر اپنا

پورا زور لگا دیا تھا۔ اُن کا ایمان تھا کہ اندلس کے سقوط کے بعد تمام مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو گیا ہے۔ جہاد سے مراد بھی واضح اور دوٹوک ہے، یہ کہ جہاد کا معنی صرف قتال ہے۔ اُنہوں نے اِس بات کے لئے کتاب و سنت اور اقوالِ سلف سے بے شمار دلائل جمع کیے اور خلق کثیر کو اِس کا قائل کیا کہ اولاً جہاد ہر مسلم مرد و زن پر نماز پنجگانہ کی طرح فرض ہے۔ دوم جہاد سے مراد قتال ہے۔ نیز عبداللہ عزام فرماتے تھے کہ کسی مسلم کے لئے حالت ضعف کا عذر قابل قبول نہیں۔ جو مسلمان اپنے آپ کو حالت ضعف میں سمجھتا ہے اُس پر ہجرت فرض ہے۔ عبداللہ عزام اصول الفقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جس دن سے جہاد کی فرضیت کے وہ قائل ہوئے اُس دن سے اُنہوں نے اِس پر اتنے دلائل جمع کر لیے تھے کہ مخاطب کو یا قائل ہونا پڑتا تھا یا لاجواب۔ جہاد تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اب مثال کے طور پر شام کی حکومت اگر صیہونی ریاست کے خلاف لوگوں کے قتال میں آڑے آتی ہے تو اہل شام پر کسی ایسے خطے کی طرف ہجرت واجب ہو گی جہاں اسلامی شعائر اعلانیہ انجام دیے جا سکتے ہوں [نوٹ: اب تو شام میں علوی حکومت کے خلاف خالص اسلامی جہاد شروع ہو چکا ہے]۔ عام طور پر وہ اصرار کر کے افغانستان کی طرف ہجرت کو ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح وہ مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کے بعد اِس بات پر مسلمانوں کا ایمان پختہ کرتے کہ جہاد کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اولاد اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر نکلے، مقروض قرض خواہ سے اجازت کا پابند نہیں اور عورت محرم کی پابند نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اِس کے لیے بھی انہوں نے ہجرت کو بنیاد بنایا۔ فرماتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور راور ام ایمن رضی اللہ عنہا مکہ سے مدینے کی طرف بلا محرم ہجرت کرتی ہیں۔ اگر فرض ہجرت کے لیے محرم کی شرط ساقط ہو جاتی ہے تو اعیان پر فرض جہاد کے لیے اجازت اور محرم کی شرط کا ساقط ہونا اولیٰ ہے۔

ہجرت جہاد کے لیے لازم ہے۔عبداللہ عزام کی پوری دعوت کا انحصار اسی اصول پر تھا۔البتہ ایسا نہیں تھا کہ عبداللہ عزام یہ عمل جلد بازی میں انجام دینے کے متبع پر تھے۔ جہاد سے انکی دل و جان سے وابستگی اِس بات میں مانع نہ ہوئی کہ علم اور تربیت کے مرحلے سے گزارے بغیر کوئی شخص معرکے میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ اُنکا اصول تھا کہ جہاد کے چار فطری مراحل ہیں۔ہجرت، جہاد کی استعداد کار، رباط (حالت جنگ میں ہونا، جہاں دشمن کے چڑھ آنے کا خطرہ ہو یا اسلامی پڑاؤ نے جھپٹنا ہو) اور چوتھا مرحلہ جہاد ہے۔ ہجرت کے متعلق ہم وضاحت کر چکے۔ہجرت ہی دوسرے مرحلے 'استعداد کار' کا سب سے اہم محور ہے۔اِس مرحلے میں اہل وعیال اور شاندار زندگی سے دُور رہ کر صبر پیدا ہوگا۔ امیر کی اطاعت کی خوبی پیدا ہوگی۔نامکمل تربیت، تزکیہ اور صبر کی صفات نہ ہونے سے عین معرکہ (جہاد) کے وقت بہت بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔رباط یہ ہے کہ عسکری تربیت کے بعد معرکے کے قریب تر مقام پر رہنا۔جو شخص دو مرحلوں سے گزر گیا ہو اُس کا عدو کے قریب رہ کر اہل وعیال سے دور تنگ دستی میں کئی مہینوں کا قیام جس میں یہ امکان بھی ہو کہ دشمن کسی وقت حملہ کر دے گا یا امیر کے حکم سے اسلامی معسکر کسی وقت بڑھ کر خود دشمن پر حملہ کر سکتا ہے۔یہ مرحلہ مجاہد کو پختہ بنا دیتا ہے۔جہاد یہ ہے کہ مسلمان بہ نفس نفیس قتال کر رہا ہو۔فرماتے تھے کہ قتال ہر وقت نہیں ہوتا۔ البتہ مجاہد سے رباط ہر وقت مطلوب ہے۔امام احمد بن حنبل کے قول سے استدلال کرتے کہ رباط اصلِ جہاد بھی ہے اور فرع جہاد بھی۔رباط میں رہنا اور جہاد میں رہنا ایک بات ہے۔رباط میں کوئی خواہ قتال کے بغیر فوت ہو جائے تو اس کا اجر شہادت کے برابر ہے اور اُس کا رباط عنداللہ تا قیامت شمار ہوگا۔''

[بحوالہ: ایقاظ سہ ماہی۔ ''عبداللہ عزام: موسس جہاد عالمی'' صفحہ 259-270 (جولائی تا دسمبر 2011)]

شیخ عزام کے کام کے عالمی اثرات کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ کے Time magazine نے شیخ عبداللہ عزام کے متعلق لکھا تھا: ''بیسویں صدی میں جہاد کو زندہ کرنے والا شخص شیخ عزام ہے۔'' آج شیخ عبداللہ عزام اگر زندہ ہوتے تو پوری دنیا کا صلیبی اور دجالی میڈیا اُن کو دنیا کا ''سب سے بڑا دہشت گرد'' کا خطاب دینے میں کبھی دیر نہ کرتا اور مسلمان ممالک کے مُرتد یا منافق حکمران شیخ عزام کو پکڑوا کر نیٹو اور امریکہ کی صلیبی افواج کے حوالے کرنے میں کبھی دیر نہ کرتے تا کہ اُنھیں اُس کے عوض ڈالر مل سکیں۔

شیخ عبداللہ عزام کی زندگی کا مقصد پوری دنیا میں اللہ کے کلمے کو بلند کرنا تھا اور اِس کے لئے وہ خلافت قائم کرنے کو ضروری سمجھتے تھے تاہم وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ مسلمانوں میں خلافت ووٹوں سے نہیں بلکہ صرف اور صرف جہاد سے واپس آ سکتی ہے۔

شیخ عبداللہ عزام نے اپنی بیوی بچوں کو بھی اسی جذبے کے تحت تیار کیا تھا۔ اُن کی بیوی، اُم محمد نے اسی جذبے کے تحت افغانستان میں یتیموں اور بیواؤں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ شیخ عبداللہ عزام صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے۔ آپ ایک عظیم مصنف ہونے کے علاوہ شعلہ بیان مقرر بھی تھے۔ اپنی ایک تقریر میں انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا:

> ''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری عمر نو (9) سال ہے یعنی ساڑھے سات سال افغانستان میں جہاد کے اور ڈیڑھ سال فلسطین میں جہاد کے اور میری زندگی کے باقی سالوں کو کوئی اہمیت نہیں۔''

ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں آپ نے فرمایا:

> ''مسلمان کبھی کسی سے شکست نہیں کھا سکتا۔ ہم مسلمان دشمنوں سے نہیں بلکہ اپنے نفس سے شکست کھا جاتے ہیں۔ [اور آرام طلب اور دنیا سے محبت کرنے والی زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں]''

آپ کا مشہور مقولہ تھا:

انما تحیا الا مم بعقائدھا وأفکارھا، وتموت بشھواتھا وللذاتھا۔

''قومیں اپنے عقیدے اور اپنے افکار کے دم سے زندہ رہتی ہیں، اور قومیں مرتی ہیں تو اپنی شہوات اور اپنے لذت وسرود کے ہاتھوں۔''

پوری دنیا کی کفر کی طاقتوں کی نگاہ میں روس کی شکست کے بعد اب شیخ عزام کا وجود کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ نومبر 1989ء میں جمعہ کے روز روسی کمیونسٹوں، روس کی خفیہ تنظیم KGB، صلیبیوں اور صیہونیوں کی ملی بھگت سے شیخ عزام کے منبر کے نیچے انتہائی طاقتور بم رکھا گیا لیکن وہ بم پھٹا نہیں ورنہ اگر وہ پھٹ جاتا تو شاید جمعہ پڑھنے کے لئے آئے ہوئے نمازیوں میں سے کوئی نہ بچتا۔

کفار نے ایک ماہ کے بعد 24 دسمبر 1989ء کو پشاور والی جامع مسجد کو جانے والی سڑک کے کنارے سیوریج لائن میں تین پوشیدہ بم لگائے۔ جمعہ کو دن 12:30 کا وقت تھا جب شیخ عزام اپنے دو بیٹوں، محمد (عمر 23 سال) اور ابراھیم (عمر 14 سال) اور شیخ تمیم عدنانیؒ کے ایک بیٹے کے ساتھ گھر سے جمعہ کی نماز کے لیے نکلے تو شیخ عزام کی بیوی اُم محمد نے انھیں الوداع کیا اور واپس کچن میں آ کر شام کا کھانا تیار کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ چند ہی منٹ کے بعد اُم محمد کو زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ مسجد کی سمت میں کالا دھواں فضا میں اُٹھ رہا تھا۔ اُم محمد نے بعد میں اپنے ایک عزیز کو بتایا کہ مجھے فوراً کھٹکا لگا تو میں نے شیخ عزام کے آفس میں کال کر کے پوچھا: ''کیا یہ دھماکہ مسجد میں ہوا ہے یا گاڑی میں؟'' دوسری طرف سے جواب آیا: ''یہ دھماکہ گاڑی میں ہوا ہے۔ آپ کے خاوند شیخ عزام اور آپ کے دونوں بیٹے شہید ہوگئے ہیں۔''

جمال عزام (شیخ عزام کے بھتیجے اور اسسٹنٹ) نے دھماکے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انھوں نے بتایا کہ جب شیخ عزام کی گاڑی مسجد کے قریب واقع ایک تنگ گلی کے پاس آکر کسی رکاوٹ کی وجہ سے رُکی تو شیخ عزام نے گاڑی سے نکل کر پیدل مسجد جانے کا فیصلہ کیا جبکہ لڑکوں نے گاڑی میں ہی بیٹھ کر بقیہ سفر طے کرنے کا فیصلہ کیا۔ جونہی شیخ عزام گاڑی سے نکلے تو دشمنوں نے گاڑی کے نیچے سیورج لائن میں لگے ہوئے بم کو چلا دیا جس کے نتیجے میں گاڑی ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ابراھیم عزام اور محمد عزام اور ابنِ تمیم کے جسم کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر قریب کے درختوں اور بجلی کی تاروں پر جا لگے لیکن شہادت کے باوجود شیخ عبداللہ عزام کا جسم بالکل سلامت رہا جبکہ دیوار سے ٹکرانے کی وجہ سے صرف اُنکے منہ سے کچھ خون بہہ رہا تھا۔ دراصل شیخ عزام بھی موقع پر ہی شہید ہوگئے تھے۔ اُنھیں پشاور میں ''پبی'' کے قبرستان میں اپنی والدہ کے پہلو میں جو کچھ سال پہلے وفات پا گئی تھیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ شیخ عزامؒ کا مشہور قول تھا:

هِيَ مَيْتَةٌ وَاحِدَةٌ فَلْتَكُنْ فِيْ سَبِيْلِ الله

''موت صرف ایک ہی دفعہ آنی ہے پھر کیوں نہ یہ موت اللہ کے راستے میں آئے۔''

یحییٰ سنیور الجدوی کی بے داغ جوانی

یحییٰ سنیور کا تعلق جدہ سے تھا۔ افغانستان میں سعودی عرب سے آنے والے مجاہدین میں سے یہ نوجوان پہلا شخص تھا جسے 1985ء میں اللہ تعالیٰ نے شہادت سے نوازا۔ جب یحییٰ افغانستان میں روسیوں کے خلاف جہاد کے لیے آیا تو اُس نے افغانستان کے صوبے وردک میں قیام کیا۔ کچھ ہی عرصے میں یہ نوجوان اُس علاقے کے تمام مقامات سے واقف ہوگیا۔

مجاہدین کا شاید ہی کوئی ایسا کیمپ ہو جہاں داخل ہو کر یحیٰی نے اپنا تعارف نہ کروایا ہو اور اُن لوگوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش نہ کیا۔ یحیٰی اپنے مجاہد بھائیوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ اُس صوبے کی مناسبت سے یحیٰی اپنے نام کے آخر میں ''وردکی'' بھی لگاتا تھا۔ یحیٰی سینور کو اپنے ملک میں ہر طرح کا ناز و نعم اور آرام ملا ہوا تھا لیکن اُس کے سینے میں مسلمان امت کا درد بھرا ہوا تھا۔ وہ مسلمان خواتین کی عزتیں پامال ہوتی نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ مسلم ممالک پر غیر مسلموں کا قبضہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، وہ اِس حالت میں آرام سے بیٹھنا گوارا نہیں کرتا تھا جبکہ مسلمانوں کو ذلیل کیا جا رہا ہو۔ چنانچہ یحیٰی سینور نے آرام و آسائش کی زندگی کو الوداع کر کے خراسان کے پہاڑوں کی طرف ہجرت کی اور یہاں آ کر اپنے خون اور پسینے سے قربانی پیش کی۔ یحیٰی کے کردار میں اُس کے ساتھی مجاہدین کو وہ تمام خوبیاں نظر آ رہی تھیں جن کی بنا پر اُنھیں علم تھا کہ اِس 20 سالہ نوجوان کو اللہ تعالیٰ بہت جلد اِس کے اخلاص کی وجہ سے شہادت عطا فرما دیں گے۔

1985ء میں ذی الحجہ میں یوم عرفات سے پچھلی رات کو روسی افواج نے اندھا دُھند بمباری شروع کر دی۔ پھر بھی سحری کے وقت ابو یحیٰی اور اُس کے ساتھی یوم عرفہ کا روزہ رکھنے کے لئے بیدار ہوئے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص عرفہ کے دن کا روزہ رکھے گا اُس کے پچھلے ایک سال کے اور اگلے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن ایسے عرفہ کے دن روزے کے لئے سحری کرنے کے کیا ہی کہنے کہ جب آسمان سے گولے و بارود کی آگ، صلیبی افواج کے لڑاکا طیارے برسا رہے ہیں۔ یقیناً اِس طرح کے روزے کا مقابلہ اپنے گھر کے آرام دہ ماحول میں بیٹھ کر عرفہ کا روزہ رکھنے سے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ یحیٰی سینور کے ساتھیوں نے اُسے جب سحری کرنے کے لیے بلایا تو 20 سالہ یحیٰی نے کہا: ''مجھے ذرا غسل کر کے آنے دو۔'' پھر یحیٰی نے اپنی بات کی مزید تشریح کی:

''خدا کی قسم! میں اِس لئے غسل نہیں کرنے جا رہا کہ میں جنابت کی حالت میں ہوں

(احتلام کی وجہ سے) بلکہ میں اِس لیے غسل کرنا چاہتا ہوں کہ خواب میں میری ملاقات جس حور سے ہوئی ہے اُس سے ملنے سے پہلے میں غسل کرلوں۔ اِس سے پہلے میں نے کبھی کسی عورت کو خواب میں نہیں دیکھا لیکن آج رات جنت کی حور میرے پاس اپنے خوبصورت لباس، اپنی دِلربا اداؤں، اپنی خوبصورتی، اپنی پاکیزگی اور اپنی آنکھوں کی خوبصورت چمک کے ساتھ میرے پاس آئی تھی۔''

اُس کے بعد جاجی کی جنگ (جاجی صوبہ پکتیا کا صدر مقام شہر ہے) میں مجاہدین نے روسی فوج کو بری طرح شکست دی لیکن یحیٰی سینور کی قسمت ابھی نہیں جاگی تھی اس لیے اُسے اِس جنگ میں شہادت نہ مل سکی۔ اِس پر اُس کے دوستوں نے اُس سے مذاقاً کہا: ''تمھاری وہ حور کہاں چلی گئی جس کے متعلق تم نے بتایا تھا کہ وہ تمھیں لینے آئے گی؟'' یہ سُن کر یحیٰی سینور خاموشی سے مُسکراتا رہا کیونکہ اُسے اللہ کے وعدے پر پکا یقین تھا۔ چنانچہ ایک عرب مجاہد کی روایت کے مطابق جاجی کی جنگ کے چند روز کے بعد جاجی کے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر یحیٰی نے تین شہید عرب مجاہدین کی قبروں پر کھڑے ہو کر کہا: ''میری جلد ہی آپ لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی۔ اِن شاءاللہ۔''

پھر 7 محرم 1405 ہجری (23 ستمبر 1985ء) کو وہ دن آ گیا جس کے لیے یحیٰی سینور اللہ تعالیٰ سے دن رات دعائیں مانگا کرتا تھا۔ یحیٰی سینور جاجی شہر کی سرحد پر پہرہ دے رہا تھا۔ جاجی شہر کے باہر چند کمیونسٹ ایجنٹ گھات لگائے بیٹھے تھے جنھوں نے یحیٰی پر فائر کھول دیئے جس کے نتیجے میں یحیٰی شہید ہو گیا۔ یحیٰی سینور الجدوی کے خون اور جسم سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ جس نے بھی اُس کا نماز جنازہ پڑھا اُسے وہ خوشبو آئی بلکہ بعض لوگوں نے ایک دوسرے سے حیران ہو کر پوچھا: ''آخر کیا وجہ ہے کہ ہم نے تمام زندگی ایسی خوشبو نہیں سونگھی۔'' چنانچہ ابوالحسن مقدسی نے شیخ عزام کو بتایا:

''میرے دوست ابو معاذ نے اور میں نے یحیٰی شہید کے خون کی خوشبو کو 500 میٹر

کے فاصلے سے سونگھ لیا تھا جب اُس کے مقدس جسم کو زمین میں دفنانے کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔ جس کے پاک جسم کا زمین بھی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔''

اسی طرح ابو مجد نے شیخ عزام کو بتایا:

''میں جب (اسپتال کے) اُس کمرے میں داخل ہوا جس میں تین روز سے یحیٰی کے جسم کو رکھا ہوا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ کمرے کے چاروں کونوں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔''

لیکن سب سے دلچسپ بات ابو حمزہ نے شیخ عزام کو بتائی:

''جب میں یحیٰی سینور کو دفنا کر گھر واپس آیا تو میری بیوی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: آپ نے یہ کونسا پرفیوم (عطر) لگایا ہے جس کی مجھے خوشبو آ رہی ہے۔''

یحیٰی سینور الجید وی نے اپنے گھر والوں کو جو آخری خط لکھا تھا اُسے پڑھ کر اُس نوجوان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نوجوان اُن لوگوں میں سے تھا جنھیں جنتوں کی تلاش ہوتی ہے اور وہ اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں۔ یحیٰی کے خط کی چند سطور ملاحظہ ہوں:

''میں یہاں افغانستان میں آیا ہوا ہوں ۔۔۔ کو کہ لڑاکا طیاروں اور ٹینکوں کی بمباری دن رات جاری رہتی ہے اور باوجودیکہ یہاں پر شدید سردی اور بھوک کا سامنا ہے لیکن میں اپنی خوشی کی انتہاء پر ہوں اور میرا دل مطمئن ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میں وہ عمل (جہاد) کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ جہاد ہی وہ واحد راستہ ہے کہ جس کے ذریعے ایک بندہ اپنے رب کو ایسے عمل پیش کر سکتا ہے جو اللہ کو پسند ہیں اور صرف اسی طریقے سے امتِ مسلمہ کی کھوئی ہوئی عزت واپس لائی جا سکتی ہے۔''

یحیٰی سینور سعودی عرب میں اپنے گھر والوں کو اکثر خط لکھتا رہتا تھا۔ اپنی شہادت سے

ایک رات پہلے یحیٰ سینور نے اپنی زندگی کا جو آخری خط لکھا اور پھر اپنی جیب میں رکھ لیا کہ اگلے دن اُسے ڈاک کے ذریعے اپنے گھر والوں کو بھیجے، اُس خط کا اختتام یحیٰ نے سورہ الِ عمران کی اِس آیت پر کیا تھا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ o

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انھیں مردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔'' (سورہ ال عمران: آیت 169)

(شیخ عبد اللہ عزام کی کتاب ''عُشَّاقُ الْحُوْر'' [عربی] سے ماخوذ)

یاسین الجزائری کی شادی کی تیاریاں لیکن........

یاسین الجزائری کا تعلق الجزائر سے تھا۔ الجزائر میں ہی پیدا ہوا۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری شروع کردی۔ یاسین کے والدین نے اُس کے لئے لڑکی ڈھونڈ لی اور اُس سے یاسین کی منگنی کردی کیونکہ یاسین کے والدین اپنے پوتے پوتیاں دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ یاسین کو بھی لڑکی پسند تھی۔ منگنی کی رسم ہوگئی اور شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ شادی ہونے سے چند ہفتے پہلے یاسین الجزائری ایک اسلامی رسالے کا مطالعہ کررہا تھا جس میں افغانستان میں روس کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کا ذکر تھا۔ اُس کے مطالعہ سے یاسین الجزائری کو پتہ چلا کہ جب غیر مسلم افواج کسی مسلمان ملک پر حملہ کردیں تو پھر جہاد ہر مسلمان پر ''فرض عین'' ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیٹے کے لئے جہاد پر جانے کی اجازت اپنے ماں باپ سے لینا ضروری نہیں رہتا، غلام کے لئے اپنے آقا سے اجازت کی ضرورت نہیں رہتی، قرض دار کے لئے اپنے قرض خواہ سے اجازت کی ضرورت نہیں رہتی جس طرح کسی بھی فرض عبادت (مثلاً فرض نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے)

ادا کرنے کے لئے جوان بیٹے کو اپنے والدین سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، غلام کو اپنے آقا سے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی اور قرض دار کو فرض عبادات ادا کرنے کیلئے اُس شخص سے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی جس سے اُس نے قرض لیا ہوتا ہے۔

وہ رسالہ پڑھنے کے بعد نوجوان یاسین الجزائری کے ذہن میں ہلچل مچ گئی تھی۔ کیا یہ سب جان لینے کے بعد ہمارے پاس اللہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی عذر ہے؟ کیا شادی کو جہاد پر نہ جانے کے لئے بہانہ بنایا جاسکتا ہے؟ کیا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام شادیاں کرنے کی وجہ سے جہاد سے رک گئے تھے یا دل میں شادی کی خواہش نہ رکھتے تھے؟ کیا شادی نے صحابہ کرام کو اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں قربان کرنے سے روک دیا تھا؟ یہ وہ سوالات تھے جو یاسین الجزائری کے ذہن میں مسلسل آرہے تھے اور اُس کے لیے کسی صورت اُن سوالات سے فرار ممکن نہیں رہا تھا۔ یہ خیالات یاسین کے ذہن میں گردش کر رہے تھے اور وہ اُن کے جوابات جاننا چاہتا تھا۔

بالآخر نوجوان یاسین الجزائری نے دنیا کی تمام رنگینیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انقلابی فیصلہ کرلیا۔ یاسین نے جو پیسہ اپنی شادی کے لیے جمع کیا تھا، اُس پیسے سے جہاد پر جانے کے لیے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خریدنے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے:

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ وَاللهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥ (سورہ التوبہ:24)

"کہو کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری

بیویاں اور تمھارے عزیز وا قارب اور تمھارے وہ مال جوتم نے کمائے ہیں، اور تمھارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کوخوف ہے اور تمھارے وہ گھر جوتم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اُس کے رسُول اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے ، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا ۔''

یاسین نے پاکستان کا ویزا لینے کے لئے الجزائر سے ترکی کا سفر کیا لیکن ترکی میں پاکستانی ایمبیسی پر مغربی مما لک کے دباؤ کی وجہ سے اُسے ویزہ نہ مل سکا۔ چنانچہ یاسین نے کسی عرب ملک میں جا کر پاکستان کا ویزہ حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ بالآخر کافی جدوجہد کے بعد اللہ کی مدد آئی اور یاسین کو سیریا سے پاکستان کا ویزہ مل گیا ۔ وہاں جا کر یاسین نے مطلوبہ فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد افغانستان میں شوخدارا کی طرف سفر کیا۔ وہاں پر وادیٔ صوفا میں ابوعلی المالکی کی رہائش گاہ پر قیام کیا، جہاں دیگر مجاہد ساتھی بھی ٹھہرے ہوئے تھے ۔

شوخدارا میں روسی افواج سے ایک لڑائی کے دوران مالِ غنیمت میں یاسین کے ہاتھ ایک ٹینک آیا ۔ یاسین کو روسی فوجی ٹینکوں کے متعلق پہلے سے کچھ معلومات تھیں چنانچہ اُس نے اُس علاقے میں ٹینک کو سامان ٹرانسفر کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ یاسین اُس ٹینک کو ڈرائیو کرتے ہوئے روسیوں کے خلاف جنگوں میں جاتا تھا اور ساتھ ساتھ اپنے ویڈیو کیمرہ سے جنگ کے مناظر کی ویڈیو بناتا تھا۔ یاسین کو شوخدارا کی وادی میں رہتے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا۔ یاسین الجزائری جس سکون اور خوشی کی تلاش میں تھا وہ اُسے یہاں گولے بارود کے سائے میں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں مل گئے تھے۔ اب یہاں اُسے نئے دوست اور رشتہ دار، مجاہد ساتھیوں کی صورت میں مل گئے تھے ۔

یہ 1989ء کی بات ہے جب شوخدارا کے شہر کرازمیر میں لڑائی کی شدت کی وجہ

سے مجاہدین بڑی تعداد میں شہید ہو چکے تھے۔ ہر وقت توپوں کی گھن گرج اور زمین پر گولہ وبارود کی وجہ سے آتش فشاں کا منظر محسوس ہوتا تھا۔روسی افواج کے ذہن مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے میں دن رات مصروف تھے۔مورچوں میں موجود عرب مجاہدین نے فیصلہ کیا کہ وہ وہاں کے مقامی افغانی لوگوں سے مدد نہیں مانگیں گے کیونکہ وہ افغانی دوسرے معاذوں پر لڑنے میں مصروف تھے۔کیمونسٹ فوجیوں اور حکومتی اہلکاروں کو عرب مجاہدین کے مورچوں کا بخوبی علم تھا اور اُن کے درمیان فاصلہ گزوں اور میٹروں میں ناپا جا سکتا تھا۔ چنانچہ کیمونسٹ فوجوں کے نشانے شاید ہی خطا ہو رہے تھے۔ اُس سخت وقت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک عرب مجاہد تقی الدین نے شیخ عبداللہ عزام کو بعد میں بتایا:

> ''یاسین نے اور میں نے شوخدارا کی وادی میں کیمونسٹوں سے آخری جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔یاسین نے جنگ کے منظر اور شعلوں کو فلمایا تاکہ یہ کورتج ہیڈکوارٹر میں بھیج سکے۔پھر وہ اپنی رائفل لینے کے لئے اپنے گھر گیا۔جوں ہی وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو ایک شیل اُس کے بالکل قریب گرا اور یاسین کی ٹانگ ضائع ہوگئی۔عبدالحق الجزائری نے آکر یاسین کے زخم کی مرہم پٹی کی لیکن ٹانگ سے خون فوارے کی طرح اُبل رہا تھا۔چنانچہ ہم نے ایک گھوڑے پر یاسین کو قریبی شہر کے اسپتال لے جانے کا فیصلہ کیا جس سفر میں دو راتیں لگتی تھیں۔ابھی شوخدارا سے نکل کر ایک گھنٹے کا سفر ہی ہوا تھا کہ یاسین کی روح اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔''

بالآخر وہ نوجوان جسے جنتوں کی تلاش تھی ،جس نے اپنی منگنی اور پسند کی لڑکی کو چھوڑ کر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے میدانِ جنگ کے گولے بارود اور آگ کو ترجیح دی، اُسے اللہ تعالیٰ نے سب سے قیمتی نعمت عطا فرمادی یعنی شہادت (ان شاء اللہ)۔

حدیث میں آخری دور کی نشانیوں کے حوالے سے ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ''دجال ایک ہاتھ سے روٹیاں پھینکے گا اور دوسرے ہاتھ سے آگ۔'' اور دوسری حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ''دجال کے ساتھ آگ ہوگی جس کو وہ دوزخ کہے گا اور ایک باغ ہوگا جس کا نام وہ بہشت رکھے گا۔ دراصل اُس کی دوزخ، جنت کی تاثیر رکھتی ہوگی اور اُس کی جنت دراصل دوزخ کے اثر والی ہوگی۔'' (صحیح مسلم) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

> ''دجال کے ساتھ دو بہتی نہریں ہوگی، اُن میں سے ایک نہر بظاہر آنکھوں سے دیکھنے پر سفید پانی اور دوسری بھڑکتی ہوئی آگ نظر آئے گی۔ اگر کوئی اُسے پائے تو اُس نہر کی طرف جائے جسے وہ آگ دیکھ رہا ہو اور آنکھیں بند کر کے پھر اپنے سر کو جھکا کر اُس نہر سے پینا شروع کر دے کیونکہ وہ اصل میں ٹھنڈا پانی ہوگا۔''

(صحیح مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب)

آج جب ہم پاکستان میں کیری لوگر بل کی شکل میں روٹیاں یا افغانستان یا عراق میں امریکی امداد کی صورت میں روٹیاں دیکھتے ہیں اور دوسری جانب ڈرون حملوں یا صلیبیوں کے فضائی حملوں کی شکل میں آگ دیکھتے ہیں تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی پیشین گوئیاں مجسم صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہی دجالی عمل اب لیبیا اور مالی میں دھرایا جا رہا ہے کہ ایک طرف عوام کی مدد کے لیے وہاں خوراک اور دیگر امداد گرائی جا رہی ہیں تو دوسری جانب اللہ کے کلمے کو بلند کرنے والے مجاہدین پر مغرب کے صلیبی ممالک اتحادی بن کر آگ برسا رہے ہیں۔ افغانستان پر حملے کرتے ہی صحیح معنوں میں امریکہ نے روٹیوں (bread) کے پیکٹ اپنے جہازوں سے پھینکے تھے اور دوسری طرف اپنے ڈیزی کٹر بم اور لیزر گائیڈڈ میزائل اِس کثرت سے برسائے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آسمان آگ برسا رہا ہے اور زمین آتش فشاں کا لاوا اُگل رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ دجالی افواج نے بعض اوقات اپنے ہتھیاروں کے نام بھی وہی رکھے جن کی حدیث مبارک میں پیشین گوئی کی گئی

تھی ۔مثلاً ہیل فائر مسلز (دوزخ کی آگ والے میزائل) (Hellfire Air-to-Surface Missiles)۔امریکہ نے اپنے ہیل فائر ہتھیاروں کے سسٹم کے ذریعے عراق اور افغانستان میں آگ برسائی ۔یہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی مشہور شخصیات جن پر ''القاعدہ'' کا مستقل لیبل لگادیا جاتا ہے اُن کو قتل کرنے کے لئے بھی اسی دجالی ہتھیار کا سسٹم یعنی ہیل فائر میزائل ، ڈرون طیارے کے ذریعے استعمال کیا جارہا ہے اور بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے ۔حماس کے راہنما احمد یاسین کو 2004ء میں اسرائیلی ایئر فورس نے اسی ہیل فائر میزائل سے شہید کیا تھا ۔الیاس کاشمیری، احسن عزیز، بیت اللہ محسود، حکیم اللہ محسود، شیخ انور العولقی، شیخ ابو یحیٰی اللیبی وغیرہ سب کو 'ایک آنکھ والا کیمرہ'' لگے ہوئے ڈرون طیارے سے ہیل فائر میزائل کی آگ برسا کر ہی جلایا گیا کیونکہ دجال کے ایک ہاتھ میں آگ ہوگی جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے ۔الغرض کہ یاسین الجزائری نے دجالی جنت اور روٹیوں کے پہاڑوں کو ٹھکرا کر اُس دجالی آگ میں کود پڑنے کو ترجیح دی جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتا چکے ہیں کہ وہ جو بظاہر آگ ہے لیکن حقیقت میں جنت ہے کیونکہ شہید کو مرتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی ۔بیشک اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ سچا ہے اور دجال کے دعوے اور دھمکیاں جھوٹی ہیں۔

ڈاکٹر صالح محمد اَللِّبیؒ اور دُکھی انسانیت کی اصل خدمت

ڈاکٹر صالح کا تعلق لیبیا سے تھا ۔اُن کی پیدائش 1951ء میں بنغازی میں ہوئی ۔وہاں پر قاریونس کی یونیورسٹی سے ایم بی بی ایس (M.B.B.S) کی ڈگری حاصل کی ، پھر لندن منتقل ہوگئے ۔وہاں پر ڈاکٹر صالح نے طبِ اطفال (Pediatrics/children medicine) میں سپیشلائزیشن شروع کردی تھی لیکن اُنھیں جنتوں کی تلاش کھینچ کر افغانستان میں لے آئی جہاں روس کے خلاف جہاد جاری تھا ۔برطانیہ میں ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت

سے انھیں عہدہ، دولت شہرت، آرام و آسائش سب میسر تھی۔ لیکن ڈاکٹر صالح کو پتہ چل گیا کہ یہ سب چیزیں عارضی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک چیز بھی کوئی شخص اپنی قبر میں ساتھ لیکر نہیں جاتا۔ سکندرِ اعظم بھی، جو پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا، جب اِس دنیا سے گیا تو کفن میں اُس کے ہاتھ خالی تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر صالح اَللِّبّیؔ کے لئے لندن کی مصروف شاہرواں کی ٹریفک، اُس کی فیکٹریوں کا دھواں، اس کے دریائے ٹیمس (The Thames) کا شور، لندن کے گھنٹہ گھر (big ben) کی ٹن ٹن میں کوئی کشش نہ رہی تھی۔ اب ڈاکٹر صالح اللبّی کو افغانستان کی صورت میں نئی محبت مل چکی تھی۔

افغانستان پہنچنے کے بعد اور میدانِ جہاد کا دورہ کرنے کے بعد ڈاکٹر اَللِبّی کو پتہ چلا کہ میدانِ جنگ میں ایک بھی عرب ڈاکٹر نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صالح اَللِبّی نے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے میں طبی امداد کا ڈبہ (First Aid Kit) پکڑا اور اللہ کی راہنمائی سے غزنی کا سفر باندھا۔ وہاں آپ اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ آٹھ ماہ تک قیام پذیر رہے اور اُنہی کے ساتھ کھانے، پینے اور سوتے تھے اور کسی قسم کی اُجرت لینے کا یا لندن کی طرح کی پرتعیش زندگی گزارنے کا نہیں سوچتے تھے۔ یہاں تو کھانا اکثر اوقات سوکھی روٹی اور قہوے پر مشتمل ہوتا تھا۔

اُنہی دنوں میں تین عرب مجاہدین (عبداللہ انس، ابو اسد اور محمد امین) 46 روز کا طویل سفر طے کرکے شمالی افغانستان میں بلخ (مزارشریف) پہنچے جہاں پہنچ کر محمد امین مرنے کے قریب تھا اور عبداللہ اَنس کا اپنی جوانی کے باوجود نقاہت سے برا حال تھا۔ بلخ کے افغانوں کو جب پتہ چلا کہ یہاں پر پہلی مرتبہ عرب لوگ آئے ہیں تو علاقے کے لوگ بڑی تعداد میں نکل کر عرب لوگوں کو دیکھنے آئے کہ جن کا تذکرہ وہ صرف کتابوں میں پڑھتے تھے۔ کئی افغانی بوڑھے جن کے سر کے بال سفید ہو چکے تھے، وہ لاٹھی ٹیکتے ہوئے اور اپنے نوجوان پوتے یا نواسے کا ہاتھ پکڑ کر کئی روز برف پر سفر کرکے بلخ پہنچے تا کہ اپنے نواسے

یا پوتے کے سر پر کسی عرب کا مبارک ہاتھ پھیروائیں۔

عرب نوجوان عبداللہ انس نے مزار شریف میں پہنچ کر دیکھا کہ وہاں پر فرانسیسیوں نے اپنا ہسپتال بنایا ہوا تھا جو جدید آلات سے لیس تھا۔ محمد انس نے علاقے کے لیڈر محمد عالم اور وہاں کے قاضی القضاء عبداللہ کو اپنے غصے کو ضبط میں لاتے ہوئے کہا کہ یہ سب کیا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا:

> ''آپ کے آنے سے پہلے اب تک ہم نے کوئی عرب نہ دیکھا تھا اور یہ فرانسیسی لوگ یہاں چند سال پہلے آئے ہیں۔ آپ ہمارے علاقے میں کوئی عرب مسلمان ڈاکٹر لے آئیں یا کوئی غیر عرب مسلم ڈاکٹر تو ہم اِن عیسائی لوگوں کو واپس بھیج دیں گے۔''

یہ سن کر عبداللہ انس کسی عرب ڈاکٹر کی تلاش میں نکلا اور اللہ کی کرنی ایسی ہوئی کہ اُس کی ملاقات ڈاکٹر صالح اَلْـلِبِّـی سے ہوگئی۔ چنانچہ ڈاکٹر صالح نے بلخ کا رختِ سفر باندھ لیا، وہ شہر جو ماضی میں اسلامی تاریخ میں علم اور علماء کا شہر ہوا کرتا تھا۔

اب تک فرانسیسی وہاں کے لوگوں کے دلوں تک پہنچ چکے تھے۔ وہ نہ صرف بلخ کے مریضوں کا علاج کرتے تھے بلکہ اُنھیں تحائف اور رنافیاں بھی دیتے تھے، اُن کے گھروں کا دورہ کرتے تھے، اُن کی مالی مدد کرتے تھے (اور یوں اُن میں آہستہ آہستہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے)۔ جب ڈاکٹر صالح بلخ میں پہنچ گئے تو وہاں کے قاضی القضاء عبداللہ نے یہ فتویٰ دے دیا:

> ''اب فرانسیسیوں سے علاج کروانے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اُن میں گھلنے ملنے کی اور نہ ہی اُن میں بیٹھنے کی اجازت ہے کیونکہ پہلے مسلمان ڈاکٹروں کی غیر موجودگی کی وجہ سے فرانسیسیوں سے علاج ایک مجبوری تھا اور اب مسلمان

ڈاکٹر کے آجانے سے یہ مجبوری ختم ہوگئی ہے۔''

چنانچہ ایک روز بعد ہی تمام علاقے کے غیور افغانیوں نے فرانسیسیوں سے علاج کروانا بند کردیا۔فرانسیسیوں نے غیور افغانی قوم کا بدلا ہوا رویہ بھانپ لیا اور علاقے کے سردار سے جا کر کہا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو اب ہماری ضرورت نہیں رہی۔ سردار نے کہا: ''جی ہاں''۔ یہ سن کر فرانسیسیوں نے اُن سے اپنے میڈیکل آلات اپنے ساتھ واپس لیجانے کی اجازت چاہی جس کی اجازت مجاہدین نے دے دی اور فرانسیسی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر وہاں سے چلے گئے۔

ڈاکٹر صالح کی بلخ میں آمد سے کچھ عرصہ پہلے یہاں کے رہنے والے ایک مجاہد نوجوان کو روسیوں کے خلاف جہاد کے دوران بمباری میں لوہے کا ایک ٹکڑا (Sharpnel shell) اُس کی ریڑھ کی ہڈی پر آکر لگا جس کی وجہ سے وہ مفلوج ہوکر بستر پر پڑ گیا تھا۔جب اُسے فرانسیسی ڈاکٹروں کے پاس لایا گیا تو اُنھوں نے نوجوان کا طبی معائنہ کر کے کہا تھا: ''اِسے ٹھیک کرنا دنیا کے کسی بھی ڈاکٹر کے بس کی بات نہیں بلکہ اگر خدا بھی زمین پر آجائے تو اِس لڑکے کو ٹھیک نہیں کرسکتا۔''(استغفر اللہ)

ڈاکٹر صالح کی بلخ میں آمد کے بعد اُس لڑکے کو اُن کے کلینک میں لایا گیا۔ ڈاکٹر صالح نے بعد میں شیخ عبداللہ عزام کو بتایا: ''میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان جسمانی اور جذباتی لحاظ سے چور چور ہو چکا تھا۔وہ اپنے بستر سے اُٹھ نہیں سکتا تھا۔وہ بستر پر ہی پیشاب اور پاخانہ کرتا تھا۔ میں نے اُس لڑکے کا طبی معائنہ (Medical Checkup) کر کے اُس نے کہا:

''تمہارا علاج بہت آسان ہے، بہت آسان ہے، ان شاء اللہ، اللہ تمھیں شفاء عطا فرما دیگا۔''

ڈاکٹر صالح نے اُس نوجوان کو اپنی ہمت بڑھانے کو کہا اور اُس کا دوا اور دعا سے علاج شروع کر دیا۔ کچھ ہی عرصہ کے علاج کے بعد وہ مجاہد نوجوان ایسا صحت یاب ہوا کہ اُس کے بعد اُس نے پھر میدانِ جنگ میں جا کر اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ یہ ڈاکٹر صالح اللیبی کی کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اِس ولی اللہ مجاہد فی سبیل اللہ کو عطا فرمائی تھی۔ اب بلخ کے لوگوں میں اُن کا چرچا ہونا شروع ہو گیا: ''ایک نیک (صالح) دوست آ گیا ہے اور اس کا نام صالح ہے۔''

ڈاکٹر صالح اللیبی کا مشہور قول تھا ''علاج کے لئے سب سے پہلے دعا کی ضرورت ہے، پھر دوا (Medicine) کی اور پھر صحیح خوراک اور پرہیز کی''۔ ڈاکٹر صالح اللیبی نے بلخ میں دو سال گزارے۔ وہ بہت مشفق باپ اور عرب مجاہدین کے معلم بھی تھے۔ کبھی وہ لوگوں کو قرآن کا درس دیتے ہوئے پائے جاتے تھے تو کبھی وہ مریضوں کے علاج معالجے میں مصروف نظر آتے تھے۔ اُن کی موجودگی کی وجہ سے عرب مجاہدین نے روسیوں کے خلاف آپریشن کرنے کیلئے اپنا مرکز ڈاکٹر صالح کے ہسپتال کے قریب ہی بنا لیا تھا۔ ڈاکٹر صالح کی سخاوت کی وجہ سے وہ عرب مجاہدین میں ابو حاتم (حاتم طائی کی مناسبت سے) کے نام سے مشہور تھے۔ اُنہوں نے اپنی کمائی میں سے کبھی کچھ نہ بچایا تھا۔ وہ یا تو اُس کمائی کو مجاہدین کی ضروریات پوری کرنے میں خرچ کر دیتے تھے یا پھر ہسپتال کے لئے سامان خریدنے میں۔ ایک عباس نامی مجاہد نے بتایا: ''میں ڈاکٹر صالح کے ساتھ چھ ماہ رہا اور اُنھیں نصیحت کیا کرتا تھا کہ وہ کچھ کم خرچیں اور اپنے پاس کچھ تو رکھیں۔ یہ سن کر ڈاکٹر صالح کہا کرتے تھے کہ ''یہ میرے اور میرے رب کے درمیان تجارت ہے۔''

افغانی لوگ عام طور پر اپنی بیٹیوں کی شادی غیر افغانیوں سے کرنا پسند نہیں کرتے لیکن بلخ کے افغانوں نے ڈاکٹر صالح کی قربانیاں دیکھ کر اُن سے اپنی بیٹیوں کی شادی کر دینے کی پیش کش تک کر دی تھی۔

یہاں دو سال گزارنے کے بعد ڈاکٹر صالح پشاور واپس لوٹے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ 1987ء میں روس کے خلاف ہونے والی شیر کی غار والی جنگ (جو رمضان میں لڑی گئی) میں شامل ہوئے اور لڑتے ہوئے زخمی ہوئے۔ ڈاکٹر صالح کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ میدانِ جنگ میں جس جگہ بھی آگ دہک رہی ہوتی تھی وہاں ڈاکٹر صالح رحمہ اللہ موجود ہوتے تھے۔ چاہے زمین لاوا اُگلے یا آسمان آگ برسائے، ڈاکٹر صالح ہمیشہ اگلی صفوں میں موجود لڑ رہے ہوتے تھے کیونکہ اُنھیں اللہ کا فرمان پتہ تھا جو قرآن میں آیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (سورہ الصّف:4)

''اللہ کو تو پسند وہی لوگ ہیں جو اُس کی راہ میں اِس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

اپنے زخموں سے صحت یاب ہو کر ڈاکٹر صالح افغانستان کے صوبہ تخار کی طرف جانے والے مجاہدین کے کاروان میں شامل ہو گئے۔ یہ گروپ اپنے ساتھ ادویات، میڈیکل آلات اور لوگوں کے پہننے کے لیے جوتے لیکر جا رہا تھا۔ اِس گروپ میں مزید دو عرب ڈاکٹر بھی تھے، ڈاکٹر ابو درداء المصری اور ڈاکٹر محمد عمر العراقی۔ جب مجاہدین کا قافلہ صوبہ تخار میں پہنچا تو اُنھوں نے وہاں کے رہائشی افغانیوں کے لئے ایک میڈیکل کورس تشکیل دیا اور اُنھیں نرسنگ کی ٹریننگ بھی دی۔ ڈاکٹر صالح رحمہ اللہ اپنے مریضوں کا علاج اِس شرط پر کرتے تھے کہ وہ اپنے سگریٹ کی ڈبی کو ضائع کر دیں گے اور آئندہ کبھی سگریٹ نہیں پئیں گے۔ ڈاکٹر صالح اپنے قائم کیے گئے ہسپتال میں 16 مہینے رہے لیکن وہ قتال فی سبیل اللہ کی تلاش میں تھے اور ہر وقت شہادت کی شدید خواہش دل میں لئے پھرتے تھے۔ رمضان 1409ھ میں وہ تخار سے واپس جلال آباد آ گئے۔ روس کے خلاف

جلال آباد کی جنگ بڑی شدید تھی جس وقت ڈاکٹر صالح اپنی عظیم صلاحیتوں کے ساتھ یہاں پہنچ کر شامل ہوگئے۔ڈاکٹر صالح یہاں جہاد کرتے رہے جبکہ شہداء کی تعداد بڑھتے بڑھتے 90 تک پہنچ گئی جن میں بعض چوٹی کے مجاہدین بھی شامل تھے۔ پھر 20 اکتوبر 1989ء (20 صفر 1410ھ) کو مجاہدین کے مورچے میں روسی افواج کا پھینکا ہوا بم گرا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صالح اور ایک اور ساتھی احمد المبارک السومالی کو شہادت کی نعمت عطا فرمادی۔(ان شاءاللہ)

اِس طرح بالآخر اُس عظیم ڈاکٹر کی زندگی کا سفر اختتام پذیر ہوگیا جو افغانستان میں آنے والے پہلا غیر ملکی ڈاکٹر تھا جسے جنتوں کی تلاش تھی۔ڈاکٹر صالح اَلْلِبِّیْ کی خون سے رنگی ہوئی میت کو پشاور لایا گیا اور پابی کے قبرستان میں باقی شہداء کے ساتھ دفنایا گیا۔ ڈاکٹر صالح اَلْلِبِّیْ کے شہادت فی سبیل اللہ کی تلاش کے سفر پر وہ حدیث صادق آتی ہے جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

> ''لوگوں میں سے بہترین زندگی والا شخص وہ ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام کو اللہ کی راہ میں تھامے ہوئے ہے۔ جب بھی کسی شور وشغب یا گھبراہٹ کی آواز سنتا ہے تو اُس کی پیٹھ پر اُڑ کر پہنچتا ہے۔ وہ قتل اور موت کو موت کی گھاٹیوں سے تلاش کرتا ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجهاد والرباط)

ڈاکٹر ناصر الجزائری اور ڈاکٹری کا پیشہ

ڈاکٹر ناصر کا تعلق الجزائر سے تھا۔ہائی سکول ختم کرکے آپ نے لیبارٹری ٹیکنیشین کا کورس کیا۔پھر اپنے بھائی ابوبشیر الجزائری کے ساتھ وہاں سے میڈیکل کے میدان میں ڈاکٹری کی ڈگری لی۔ڈاکٹر ناصر نے مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔اُنھوں نے بچپن سے اپنے والدین کو اسلامی موضوعات پر گفتگو کرتے سنا۔اُن کے گھر کے ایک کونے میں اسلامی کتب کی چھوٹی

سی لائبریری تھی جس سے وہ اکثر استفادہ کرتے رہتے تھے۔ڈاکٹر ناصر کو خاص طور پر سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع سے دلچسپی تھی اور اپنی قریبی مسجد میں اُن کے دروس کا مرکز و محور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوا کرتا تھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے ڈاکٹر ناصر پر جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت آشکارا ہوئی۔ڈاکٹر ناصر کا بچپن کا دوست تقی الدین بھی اُن کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔

1985ء میں ڈاکٹر ناصر الجزائری نے جہاد کے شوق میں اُس وقت کی سرزمینِ جہاد یعنی افغانستان کا رُخ کیا[جس طرح آج شام کا ملک سرزمینِ جہاد بن چکا ہے]۔کچھ عرصہ ڈاکٹر ناصر الجزائری نے ڈاکٹر صالح الَلِبِّیْ کے ماتحت اپنی سپیشلائزیشن کے میدان میں میڈیکل خدمات انجام دیں۔پھر ڈاکٹر ناصر اپنے ملک الجزائر واپس لوٹ گئے لیکن اب اُن کے سینے میں راہِ خدا میں نکلنے کی آگ بھڑک اُٹھی تھی اور اُنھیں کسی پل چین نہیں لینے دیتی تھی۔بالآخر ڈاکٹر ناصر افغانستان میں جہاد کے لیے واپس لوٹ آئے اور وہاں پر ڈاکٹر کے طور پر کام کرنا شروع کردیا کیونکہ اُس وقت افغانستان میں ڈاکٹروں کی کمی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

> ''میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت کے روز عام مسلمانوں کی بہ نسبت مسلمان ڈاکٹروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ سخت عذاب ہوگا جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور میدانِ جہاد میں آکر اُنھوں نے زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی نہیں کی۔''

چھ ماہ گزرنے کے بعد ابوالحسن المدنی نے ڈاکٹر ناصر کو شوخدار کے ایک ہسپتال میں ڈاکٹری کے فرائض سونپے جس سے ڈاکٹر ناصر بہت خوش ہوئے۔یہیں کچھ دنوں کے بعد اُن کا دیرینہ دوست تقی الدین الجزائری بھی پہنچ گیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر ناصر کی کوششوں سے راہ راست پر آنے والا نوجوان جمال الدین بھی کافی عرصہ کے بعد اُن سے آملا۔ڈاکٹر ناصر کہنے

لگے۔'' مجھے نہیں پتہ کہ میں کس بات پر زیادہ خوش ہوں۔مجاہدین کے ایک ہسپتال میں کام کرنے پر یا تقی الدین اور جمال الدین کی یہاں آمد پر۔'' لیکن اُستاد اور اُس کے دونوں شاگرد دوستوں کی ملاقات صرف چند روزہ تھی۔تین ہی روز کے بعد جمال الدین روسی فوجیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔

افغانستان کمیونسٹ حکومت کے فوجیوں نے شوغدارا پر چڑھائی کردی تھی۔چوتھے روز مجاہدین نے فجر کی نماز ادا کی۔اپنی عادت کے مطابق اُنھوں نے صبح کے اذکار کیئے اور قرآن کے کچھ حصے کی تلاوت کی۔صبح ساڑھے آٹھ بجے اُنھیں پتہ چلا کہ کمیونسٹ افواج قریب پہنچ چکی ہیں۔چنانچہ مجاہدین پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھنا شروع ہو گئے تاکہ وہاں سے دشمن پر حملہ کرسکیں۔ڈاکٹر ناصر وضو کرنے کے لیے نکلے۔اُن کے دوست تقی الدین نے اُنھیں جلدی کرنے کو کہا لیکن ڈاکٹر ناصر نے اصرار کیا کہ وہ وضو مکمل کریں گے۔پہاڑوں کی چوٹیاں ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے گونج رہی تھیں جبکہ یہ اللہ کے شیر، دشمن پر اس طرح حملہ آور ہو رہے تھے کہ جہنم کی آگ کا مزا چکھنے سے پہلے دشمن اس دنیا کی آگ کا مزا بھی چکھ لیں۔

آہستہ آہستہ اپنے فوجیوں کی بے شمار لاشوں کو چھوڑ کر دشمن نے پسپائی اختیار کرنی شروع کی۔مجاہدین کے پاس شیل اور دیگر اسلحہ ختم ہو چکا تھا لہٰذا ڈاکٹر ناصر اور تقی الدین دونوں اسلحے کے گودام کی طرف نکلے تاکہ مزید اسلحہ لاسکیں۔تقی الدین تیز تیز چل رہا تھا اور ڈاکٹر ناصر اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ اتنے میں اچانک دونوں کے درمیان ڈیڑھ میٹر کے فاصلے میں ایک گولہ گرا۔تقی الدین نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر کر اپنے ناک پر کپڑا رکھ لیا تاکہ دھواں اُس کی سانس میں نہ پہنچے۔جب گرد چھٹی تو تقی الدین نے ڈاکٹر ناصر کو ڈھونڈنے کے لیے اپنا چہرہ پلٹا تو دیکھا کہ گولہ پھٹنے سے لوہے کے ٹکڑے ڈاکٹر ناصر کے جسم میں داخل ہو چکے تھے اور وہ شدید زخمی ہو چکے تھے۔تقی الدین اُنھیں ایک پہاڑی غار میں لے گیا اور ڈاکٹر ناصر پر سورہ یٰسین کی تلاوت کرنی شروع کردی جبکہ

ڈاکٹر ناصر کی شریانوں سے مقدس خون بہہ رہا تھا۔ابھی تقی الدین نے سورہ یٰسؔ تیسری دفعہ ختم نہیں کی تھی کہ ڈاکٹر ناصر الجزائری کی روح اپنے خالق کی طرف پرواز کرگئی۔

یوں اِس دجالی دور میں ڈاکٹر ناصر نے دجالی قوتوں سے جہاد کرتے ہوئے ایک غار میں جان دیدی۔اُن کی غار میں روح نکلنے سے ''اصحاب کہف'' یعنی غار والے نوجوانوں کی یادتازہ ہوگئی جن کا ذکر سورہ الکھف میں ہے اور جن کی روحوں کو فرشتوں نے غار میں قبض کرلیا تھا۔بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے:

من حفظ عشر آیات من اول سورة الکھف،عصم من الدجال (صحیح مسلم عن ابودرداء)

''جس کسی نے سورہ الکھف کی پہلی دس آیات کو زبانی یاد کرلیا تو وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔''

ڈاکٹر ناصر الجزائری نے ڈاکٹری کے پیشے سے صرف زبانی طور پر دُکھی انسانیت کی خدمت نہیں کی بلکہ عملی طور پر دُکھی انسانیت کی خدمت کی اور اُن کے دفاع کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کردی۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر ناصر الجزائری نے شیخ عبداللہ العزام کو شوغدارا کے ہسپتال سے پیغام بھیجا تھا کہ اُنھیں مزید مسلمان ڈاکٹرز یا کم از کم ادویات ہی بھیج دی جائیں۔اُنھوں نے مزید کہا تھا:''ایک عیسائی خاتون زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کرنے کیلئے یہاں آئی ہوئی ہے لیکن مسلمان ڈاکٹر کہاں ہیں؟''

ڈاکٹر ناصر الجزائری شہید نے اپنے عمل سے امت مسلمہ پر حجت قائم کردی۔انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

''علماء کرام،مبلغین حضرات اور ڈاکٹر حضرات میدانِ جنگ میں جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے غیر حاضری کے متعلق قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟''

ابوسھل المصری کا شہادت سے پچھلی رات کو دیکھا ہوا خواب

افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کرنے والے مجاہدین میں سے ایک ابوسہل المصری (ایمن صبری) تھے۔ یہ مردِمومن اپنے وطن مصر سے افغانستان تک کا طویل سفر صرف اِس لئے کر کے آیا تھا کیونکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی شہداء کے لئے بنائی ہوئی جنتوں کی تلاش تھی۔ بالآخر ابوسہل المصری کو روس کے خلاف 1987ء میں جاجی کے معرکے میں شہادت نصیب ہوئی۔ ابوسہل المصری، ڈاکٹر صالح اللبی کے قریبی دوست بھی تھے۔ بڑے متقی اور اللہ پر توکل کرنے والے شخص تھے۔

ابوسہل المصری نے اپنی شہادت سے ایک روز پہلے ایک بڑا دلچسپ خواب دیکھا۔ اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ لوگوں کے ایک عظیم اجتماع کے ساتھ جنت کے دروازوں کے باہر کھڑے ہیں۔ وہاں ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں رجسٹر لیکر کھڑا ہوا ہے اور ایک ایک شخص کا پورا نام پکارتا ہے۔ پھر وہ شخص آگے بڑھتا ہے اور فرشتے کے پاس جاتا ہے۔ فرشتہ ہر اُس شخص کو ایک کارڈ دیتا ہے جس کا نام پکارا گیا ہوتا ہے پھر وہ شخص کارڈ لیکر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

ابوسہل مصری خواب میں بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے کہ اُن کا نام ابھی آیا کہ ابھی آیا لیکن اُن کا نام نہیں پکارا جاتا۔ ابوسہل مصری انتظار سے بیتاب ہو رہے ہوتے ہیں۔ بالآخر ابوسہل مصری خواب میں ہی یہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ اب فرشتے نے جس کسی شخص کا نام بھی پکارا تو ہر صورت میں ابوسہل خود آگے بڑھ کر فرشتے سے کارڈ لے لیں گے۔ اتفاق سے فرشتے نے جو اگلا نام پکارا وہ ابوسہل مصری کا ہی تھا۔ چنانچہ ابوسہل فوراً آگے بڑھے اور فرشتے سے وہ کارڈ لے کر جنت میں داخل ہو گئے۔ جب وہ جنت میں داخل ہوئے تو اُنھوں

نے اپنے دوساتھیوں کو دیکھا، اُن میں سے ایک ساتھی تقریباً ایک سال پہلے شہید ہو چکے تھے جبکہ دوسرے ساتھی ڈاکٹر صالح تھے(جو اِس خواب کے دوسال کے بعد شہید ہوئے)۔اِس پر ابوسہل المصری کا خواب ختم ہوگیا۔ اگلی ہی صبح کوابوسہل المصری کو روسی فوجوں سے لڑتے ہوئے شہادت نصیب ہوگئی ۔(اللہ تعالیٰ اُن کی شہادت کوقبول فرمائے۔آمین)

روس کی خفیہ سروس KGB کے سابق آفیسر اورنومسلم الیگزینڈر لٹوینینکو (Alexander Litvinenko) کی شہادت

ہم جانتے ہیں کہ چیچنیا میں تیل کے بے شمار ذخائر موجود ہیں جس کی وجہ ہے کہ روس اُسے چھوڑنے کو تیار نہیں اور ایک طویل عرصہ سے نہ صرف چیچنیا کواپنی ریاست بنا کررکھا ہوا ہے بلکہ 1991ء میں چیچنیا نے سوویت یونین سے آزادی حاصل کرلی تھی لیکن پھر بھی 1999ء کی دوسری چیچنیا روس جنگ میں رُوس نے زبردستی چیچنیا پر پھر قبضہ کرلیا کیونکہ پیوٹن وہاں کے تیل کے ذخائر کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔چیچنیا پر 1999ء میں حملہ کرنے کا بہانہ تراشنے کے لیے روس نے ستمبر 1999ء میں روس کے تین بڑے شہروں یعنی Moscow, Buynaksk and Volgodonsk کی شہری آبادی کی عمارتوں (Apartment Buildings)میں دھماکے کروائے جن میں 293 افراد ہلاک اور651 زخمی ہوئے۔ روسی حکومت نے چیچنیا کے مجاہدین بالخصوص کمانڈر ابن خطابؒ کو اِن دھماکوں کا ماسٹر مائنڈ قرار دیا۔ تاہم 2 ستمبر 1999ء کو روس کی گروزنی میں واقع خبر رساں ایجنسی انٹرفیکس (Interfax) کو انٹرویو دیتے ہوئے کمانڈر ابن خطاب نے واضح طور پر بتایا تھا کہ مجاہدین کا اِن دھماکوں سے کوئی تعلق نہیں ۔ابن خطابؒ نے اپنے بیان میں کہا:

"We would not be akin to those who kill sleeping civilians with bombs and shells."

''ہم ان لوگوں کی طرح (دہشت گرد) نہیں ہیں جو سوئے ہوئے شہریوں کو بموں اور شیلوں سے قتل کر دیتے ہیں۔''

لیکن آج کے دور میں سچ بولنے والے مجاہدین کی کون سنتا ہے۔ لوگوں نے تو تہیہ کیا ہوا ہے کہ وہ فاسق میڈیا کے الزامات پر زیادہ یقین کریں گے کیونکہ اِس فاسق میڈیا کو کافر یا منافق حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی ایک آنکھ والے میڈیا پر لوگوں کی ''دلچسپی'' کے پروگرام بھی تو دکھائے جاتے ہیں۔ تاہم روس کی خفیہ حکومتی سروس (FSB) (1991ء سے پہلے جس کا نام KGB ہوتا تھا) کے چیچنیا پر اِن دھماکوں کے الزامات کے باوجود روس اور امریکہ کے چند غیر جانبدار محققین کی تحقیقات سے یہ بات کھلی کہ روس میں 1999ء میں یہ دھماکے روس کی خفیہ سروس (FSB) نے خود کرائے تھے تاکہ چیچنیا کے مجاہدین پر اِس کا الزام لگا کر چیچنیا پر روس دوبارہ سے حملہ آور ہو سکے اور روس نے اِسی جھوٹ کو بنیاد بنا کر چیچنیا پر 1999ء میں حملہ کر دیا اور اِس ملک اور اِس کے تیل پر قابض ہو گیا۔ جن غیر جانبدار محققین نے FSB کے خود اپنے عوام کو دھماکے کروا کر قتل کرنے کی سازش کا انکشاف کیا۔ اُن میں سے ایک روس کا سابق FSB کا آفیسر الیگزینڈر لٹوینینکو (Alexander Litvinenko)، امریکہ کی یونیورسٹی آف جان ہاپکنز (John Hopkins University / Hover Institute) کا محقق سکالر ڈیوڈ سیٹر (David Satter) اور روس کا ماہر قانون سرجی یوشینکو (Sergei Yushenkov) شامل تھے۔

Satter, David (2003) Darkness at Dawn. The Rise of the Russian Criminal State. Yale Univeristy Press, New Haven

نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والے الیگزینڈر لٹوینینکو نے 1986ء میں روس کی خفیہ سروس FSB-KGB کے لئے نوکری شروع کی اور وہ ترقی کرتے کرتے FSB کا ڈائریکٹر بن گیا۔ 1998ء میں اُس نے مسلسل FSB کی کرپشن اور اپنے ہی ملک کے شہریوں کے قتل

عام کو دیکھ کر FSB سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روس کا ہونے والا صدر پیوٹن اُس وقت FSB کا سربراہ بن گیا تھا اور پیوٹن بذاتِ خود نہایت ہی سازشی اور خطرناک انسان تھا۔ بالآخر لٹوینینکو نے 2000ء میں روس سے فرار ہو کر برطانیہ میں پناہ لی۔ اس نے اپنی کتاب Blowing up Russia: The secret plot to bring back KGB terror میں روس کی حکومت اور FSB-KGB کی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ الیگزینڈر لٹوینینکو نے ثبوت کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ پوری دنیا میں دہشت گردی کی وارداتیں کروانے کے لئے اسلحہ، دھماکہ خیز مواد، جعلی دستاویزات وغیرہ سب کچھ FSB کی کڑی نگرانی اور تعاون سے ہوتا ہے۔ الیگزینڈر لٹوینینکو نے بڑے مدلل انداز میں یہاں تک انکشاف کیا کہ: ''پوری دنیا کی دہشت گردی کا مرکز عراق یا افغانستان یا چیچنیا کا دارالحکومت نہیں ہے۔ دراصل دہشت گردی کا انفیکشن روس کے پریذیڈنٹ ہاؤس ، کریملن (Kremlin) سے اور FSB خفیہ سروس کے مرکزی دفتر (Lubyanka Square) کی الماریوں سے نکل کر پوری دنیا میں پھیلتا ہے۔''

Litvinenko, Alexander (23 March 2005). "The KGBism, Terrorism and Gangsterism are Triplets". Chechen Press.

الیگزینڈر لٹوینینکو رُوس سے فرار ہو کر برطانیہ آ گیا لیکن FSB کے ایجنٹ اُس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں بھی پہنچ گئے (جیسا کہ اُن کا طریقۂ واردات ہوتا ہے)۔ FSB کے ایجنٹوں نے ایک دن لٹوینینکو سے دوستانہ ملاقات کی اور اُس کی گاڑی اور گھر میں نہایت زہریلی تابکاری دھات (Radioactive Polonium-210) کے ذرات چھوڑ گئے۔ اسی شام کو الیگزینڈر لٹوینینکو شدید بیمار ہو گیا اور چند روز کے بعد برطانیہ کے ہسپتال میں وفات پا گیا۔ یاد رہے کہ روس کی خفیہ ایجنسی FSB نے کمانڈر ابن خطاب کو شہید کرنے کے لیے بھی یہی طریقہ استعمال کیا تھا۔ یہ بات بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ برطانیہ میں لٹوینینکو کے دوست اور ہمسائے احمد زکائیو (Ahmed Zakayev) (چیچنیا کے جلاوطن

سابق وزیر خارجہ) نے بتایا کہ لٹوینینکو نے مرنے سے چند روز پہلے اسلام قبول کرلیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ برطانیہ میں مسلم پارلیمنٹ آف برٹین کے سربراہ غیاث الدین صدیقی نے یہ بیان بھی دیا کہ لٹوینینکو نے زہر دیئے جانے سے 10 دن قبل اسلام قبول کرلیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لٹوینینکو تو بہت عرصہ سے رُوس کی حکومت اور اُس کی خفیہ سروس FSB کے خلاف کتابیں لکھ رہا تھا لیکن جب اُس نے اسلام قبول کرلیا تو یہ بات FSB اور رُوس کے لئے لٹوینینکو کا نا قابلِ معافی جرم بن گئی۔ جب لندن کے ہائی گیٹ قبرستان میں لٹوینینکو کو دفنایا جانے لگا تو احمد زکایو اور دیگر مسلمانوں نے لٹوینینکو کا نمازِ جنازہ پڑھا اور پھر اُسے دفنایا۔ شہادت کے وقت لٹوینینکو کی عمر 44 سال تھی۔ 23 نومبر 2006ء میں لندن میں اُس کی شہادت ہوئی۔

الیگزینڈر لٹوینینکو کے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد شہادت کو دیکھ کر غزوۂ بدر کا وہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ جب کفار میں سے ایک شخص اسلحے سے لیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے لڑنا چاہتا ہے، کیا وہ پہلے اسلام قبول کرے یا پہلے لڑے۔؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کہا کہ وہ پہلے اسلام قبول کرے۔ چنانچہ اُس شخص نے اسلام قبول کرلیا اور پھر میدان میں بے جگری سے لڑا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ اُس نے اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی سجدہ، کوئی نماز، روزہ نہیں کیا، کوئی علم حاصل نہیں کیا لیکن اعلیٰ ترین جنتوں کا رہائشی بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے متعلق فرمایا تھا اور یہی بات لٹوینینکو پر بھی صادق آتی ہے:

عَمِلَ قَلِیْلاً وَاُجِرَ کَثِیْرًا (صحیح بخاری)

(اُس نے عمل بہت تھوڑا کیا لیکن اجر (Reward) اُس کو بہت دیا گیا۔)

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ نومسلم الیگزینڈر لٹوینینکو (Alexander

(Litvinenko کی شہادت کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ آمین!!

ابنِ جنت جال افغانی شہید کا اپنے والد سے مصافحہ کرنا

شیخ عبداللہ العزام اپنی کتاب ''آيات الرحمن في جهاد افغانستان '' میں لکھتے ہیں کہ 1980ء میں عمر حنیف نے اُن سے یہ روایت بیان کی کہ افغانستان کے ایک قصبے میں روسیوں کی ایک بہت بڑی فوج نے حملہ کردیا جس میں 70 ٹینک تھے اور 12 فضائی طیارے بھی اُن کے ساتھ حملہ کر رہے تھے۔ مجاہدین کی تعداد صرف 115 تھی۔ شدید جنگ ہوئی۔ بالآخر دشمن کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ مجاہدین نے 13 ٹینک تباہ کرڈالے۔ ہم میں سے صرف 4 اشخاص شہید ہوئے۔ اُن میں سے ایک کا نام ''ابن جنت جال'' تھا جس کے معنی ہیں ''جنت کا گلاب''۔ ہم نے اسے میدانِ جنگ میں دفنا دیا لیکن تین روز کے بعد اُس کے جسم کو اُس کے والد کے گھر لے گئے تاکہ وہ اُسے اپنے قریبی قبرستان میں دفنا دے۔ اُس شہید نوجوان نے والد نے اسے مخاطب کرکے کہا:

''اے میرے بیٹے، اگر تو سچ میں شہید ہے تو مجھے کوئی نشانی دکھا۔''

اچانک ابنِ جنت جال شہید نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور اپنے والد کا ہاتھ مصافحہ کرنے کے انداز میں پکڑ لیا۔ اُس شہید نوجوان نے 15 منٹ تک اپنے والد کا ہاتھ پکڑے رکھا۔ پھر اُس نوجوان شہید نے اپنا ہاتھ واپس اپنے جسم کی طرف کرلیا اور اسے اپنے زخم پر رکھ دیا۔ اُس کے والد نے بتایا: ''مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرا ہاتھ کچلا جائیگا جس وقت اس نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا (اِس سے شہید کی طاقت کا پتہ چلتا ہے)۔''

شہید کے خون کا عطر اُس کی ماں کے ہاتھوں پر تین مہینے تک رہا

نصر اللہ منصور نے شیخ عزام کو یہ واقعہ بیان کیا جو اُنھیں حبیب اللہ (یا قوت) نے روایت کیا:

میرا بھائی شہید ہو گیا اور 3 مہینے بعد میری ماں نے اُسے خواب میں دیکھا۔ اُس نے ہماری ماں سے خواب میں کہا: ''میرے تمام زخم ٹھیک ہو گئے ہیں سوائے میرے سر کے زخم کے۔'' خواب سے بیدار ہونے کے بعد میری والدہ نے اصرار کیا کہ اُن کے بیٹے کی قبر کو کھودا جائے۔ میرے بھائی کی قبر، ایک اور قبر کے ساتھ واقع تھی۔ چنانچہ قبر کھودنے کے دوران دونوں قبروں کے درمیان کی دیوار گر گئی اور دوسری قبر کی میت نظر آنے لگی۔ ہم نے دیکھا کہ دوسری قبر میں موجود میت کے اوپر ایک اژدھا (زہریلا سانپ) چڑھا ہوا ہے۔ جب میری والدہ نے یہ سماں دیکھا تو مجھے میرے بھائی کی قبر مزید کھودنے سے منع کیا۔ میں نے اپنی والدہ کو کہا:

''میرا بھائی شہید ہے، یہ بات ناممکن ہے کہ اُس کی لاش پر بھی سانپ موجود ہو۔''

چنانچہ میں اپنے بھائی کی قبر کھودتا رہا۔ جب ہم اُس کی لاش تک پہنچے تو اُس کے جسم سے اُٹھنے والی خوشبو کی شدت نے ایک دفعہ ہمیں وجد کے عالم میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے بھائی کے سر کے زخم سے خون نکلتا ہوا دیکھا۔ میری والدہ نے اُس کے زخم پر اپنا ہاتھ رکھا تو میری والدہ کے ہاتھ سے خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ تین مہینے گزر گئے ہیں اور پھر بھی میری والدہ کی انگلیوں سے تیز خوشبو آتی رہی۔ آج کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی میری والدہ کی انگلیوں میں اُس خوشبو کا کچھ اثر پایا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک شہید کے جسم سے نکلنے والا مقدس خون تھا۔

ابو معاذ کویتی سے اُن کی شہادت کے بعد ایک دوست نے خواب میں چند سوال پوچھے

جب اپریل 1992ء میں بوسنیا میں سربوں نے مسلمانوں کو بے دردی سے ذبح کرنا شروع کیا اور مسلمان بچیوں اور عورتوں کی عزتیں لوٹیں تو اُس وقت پوری دنیا صرف تماشا دیکھ رہی تھی لیکن چند غیرت مند مسلمان تماشائی بننے کی بجائے بوسنیا میں جہاد کے لئے اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے نکلے تھے (جس طرح آج بھی کچھ مسلمان سرزمینِ شام میں جہاد کے لئے جارہے ہیں)۔ بوسنیا میں جہاد کے لئے جانے والے مسلمانوں میں سے ایک ابو معاذ الکویتی ؒ شہید بھی تھے۔ ابو معاذ الکویتی ؒ کویت کے ایک صوبے کے گورنر کے بیٹے تھے اور کویت کی طرف سے اولمپک ایتھلیٹ (Olympic Athlete) بھی رہ چکے تھے۔ وہ پہلے افغانستان گئے اور چھ سال تک روس کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ پھر 1994ء میں بوسنیا میں آگئے جہاں آپ کو انصار رضا کاروں کا کمانڈر بنا دیا گیا۔ جولائی 1995ء کے آپریشن مریکل میں اُنھیں حملہ کرنے والے گروپ میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اسلئے بہت اُداس تھے۔ آپریشن میں فتح کے بعد ابو معاذ کویتی پہاڑ کی چوٹی پر جا کر مجاھدین کے گروپ کو منظم کر رہے تھے کہ اچانک کسی سرب فوجی نے نشانہ لیکر اُن کی ران (Upper leg) پر گولی ماری جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے۔ چار دنوں کے بعد مدینہ سے بوسینا آئے ہوئے ایک مجاہد نے ابو معاذ کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجاہدین کی مسجد میں سب سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

نوجوان مجاہد نے اپنا خواب بیان کیا: ''میں نے خوان میں دیکھا کہ ابو معاذ سب سے مل رہے ہیں اور اُن کی ٹانگ پر اُس جگہ پٹی بندھی ہوئی ہے جہاں اُنھیں گولی لگی تھی۔ مجھے بہت غصہ آیا کہ ابو معاذ یہاں کیا کر رہا ہے جبکہ وہ تو شہید ہو گیا تھا، میں نے جا کر اُس سے ہاتھ ملایا اور پوچھا:

''ابو معاذ! آپ یہاں پر کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ شہید ہوئے ہیں یا نہیں؟

یہ سن کر ابو معاذ نے سُنی ان سُنی کر دی اور کچھ جواب نہ دیا، جب کوئی انھیں دیکھ نہیں رہا تھا تو ابو معاذ نے خاموشی سے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی۔ نوجوان مجاہد کو پتہ تھا کہ ابو معاذ نے ایسا کرنا ہے اسلئے وہ دروازے میں انتظار میں کھڑا تھا۔ اتنے میں ابو معاذ مسجد سے باہر نکلے اور ایک بڑی طشتری (Big plate) پر ابو معاذ کھڑے ہو گئے اور اُس طشتری نے فضا میں بلند ہونا شروع کر دیا۔ مدینہ کے نوجوان مجاہد نے بھاگ کر ابو معاذ کی ٹانگ مضبوطی سے پکڑ لی اور اُن سے پوچھا:

''ابو معاذ! مہربانی کر کے مجھے بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا تم شہید ہوئے یا نہیں؟

ابو معاذ نے جواب دیا: ''الحمد للہ، میں شہید ہوا ہوں۔''

نوجوان مجاہد نے پوچھا: ''آپ کو کیسا محسوس ہوا؟''

ابو معاذ نے بتایا: ''جس دن ہمارا جنگی آپریشن تھا، اُس دن آسمان میں ایک کھڑکی سیدھی جنت کے اندر کھلی اور اُس دن شہید ہونے والے تمام مجاہدین اُس کھڑکی سے گزر کر سیدھی جنت میں داخل کر دیے گئے۔''

نوجوان مجاہد نے ابو معاذ سے پوچھا: ''آپ کو شہادت کے وقت کیسا محسوس ہوا؟''

ابو معاذ نے جواب دیا: ''مجھے ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ جونہی میں شہید ہوا، جنت سے دو سنہرے بالوں والی (Blonde) گوری حوریں آئیں اور میرے پاس بیٹھ گئیں۔ پھر وہ جنت میں میرے ساتھ گئیں۔''

نوجوان مجاھد نے پوچھا: ''جنت کیسی ہے؟''

ابو معاذ الکویتی نے جواب دیا: ''وہ ایک جنت نہیں بلکہ کئی جنتیں ہیں۔''

نوجوان مجاہد نے پوچھا: ''وہاں پر عیش اور لُطف کیسا ہے؟''

ابو معاذ نے جواب دیا: ''ہر روز اور ہر جگہ نیا ہی لطف ہے۔ اچھا، اب مجھے جانے دو۔''

نوجوان نے پوچھا: ''ایک آخری بات۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میں کب شہید ہوؤنگا؟''

ابو معاذ نے جواب دیا: ''اِس کا مجھے علم نہیں۔''

نوجوان نے پھر کہا: ''اچھا تو آپ مجھے میری شہادت سے چند روز پہلے خواب میں آکر بتا سکتے ہیں کہ میں کب شہید ہوؤنگا۔''

ابو معاذ الکویتی نے جواب دیا: ''میں کوشش کرونگا۔ اچھا اب مجھے جانے دو۔''

[سبز پرندوں کے دلوں میں: بوسنیا کے شہداء ، عزام ریکارڈنگ۔ لندن]

اسی سے ملتا جلتا واقعہ ہمیں حدیث میں ملتا ہے۔ عبد اللہ ابن عمرؓ ایک حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ایک غزوہ کے لیے جاتے ہوئے ایک اعرابی (بدو) کے خیمے کے سامنے سے گزرے۔ وہ اعرابی بھی اُس لشکر میں ساتھ شامل ہوگیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچنا چاہتا تھا لیکن صحابہ کرام اُسے اجازت نہ دے رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

دَعُوا لِيَ النَّجْدِيَّ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّهُ لَمِنْ مُلُوكِ الْجَنَّةِ

(نجد سے آنے والے شخص کو میرے قریب آنے دو۔ خدا کی قسم یہ شخص جنت کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے۔)

میدانِ جہاد میں وہ اعرابی بہت دلیری سے لڑا اور بالآخر شہید ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سر کے پاس بیٹھے مسکرا رہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک دوسری طرف کرلیا۔ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَمَّـا مَّـا رَاَیۡتُـمۡ مِـنۡ اِسۡتِبۡشَـارِی، فَلِمَا رَاَیۡتُ مِنۡ کَرَامَۃِ رُوۡحِہٖ عَلَی اللّٰہِ، وَاَمَّا اِعۡرَاضِیۡ عَنۡہُ فَاِنَّ زَوۡجَتَہٗ مِنَ الۡحُوۡرِالۡعِیۡنِ الۡاٰنَ عِنۡدَ رَأۡسِہٖ. (رواہ البیہقی)

''جب تم لوگوں نے مجھے مسکراتے دیکھا تو وہ اِس وجہ سے تھا کہ میں نے اللہ کے ہاں اُس اعرابی کی روح کی عزت افزائی دیکھی اور میرا منہ دوسری طرف پھیرنے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے دیکھا کہ حوروں میں سے اُس کی ایک بیوی اب اُس کے سرہانے آ کر بیٹھ گئی ہے۔''

[امام بیہقی نے بھی شعب الایمان میں اِس حدیث کو حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔امام منذری نے بھی الترغیب والترھیب (2 / 273) میں لکھا ہے کہ اِس حدیث کی سند حسن ہے۔ شیخ دمیاطیؒ نے المتجر (صفحہ 520) میں اِس حدیث کی سند کو حسن بتایا ہے اور شیخ ابن نحاس الدمیاطیؒ نے مشارع الاشواق (2 / 767) میں اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔]

جمال الدین یمنی کی روح کی اللہ سے گفتگو

اسی سے ملتا جلتا واقعہ 1993ء میں بوسنیا کی جنگ میں پیش آیا۔یمن کا نوجوان مجاہد جمال الدین یمنی (عمر 19 سال) سربوں کے خلاف جہاد کر رہا تھا کہ اچانک اُس کی کلاشنکوف جام ہوگئی تو اُس نے فوراً اپنی پستول سے دو سرب فوجیوں کو واصلِ جہنم کیا۔اُس کے بعد میدانِ جنگ میں دونوں سائیڈوں سے بمباری شروع ہوگئی۔اتنے میں ایک شیل جمال الدین یمنی کے پاس آ کر گرا اور اُس کے جسم کے ٹکڑے ہوگئے۔اُس کے بعد مسلمانوں کو اِس جہادی آپریشن میں فتح نصیب ہوئی۔لڑائی کے اختتام پر مجاہدین اُن چار یا پانچ شہداء کی لاشیں جمع کرنے کے لیے گئے تا کہ اُنھیں دفنا دیں۔اُنھیں سب شہداء کی لاشیں مل گئیں

سوائے جمال الدین یمنی کے۔ اُس کے بعد تین دن گزر گئے اور مجاہدین کے کیمپ میں یہ پریشانی شروع ہوگئی کہ کہیں جمال الدین یمنی کی نعش کو سرب فوجی اٹھا کرلے نہ گئے ہوں اور کہیں وہ اُس کی نعش کی بے حرمتی نہ کررہے ہوں۔ تین دنوں کے بعد نماز فجر سے کچھ پہلے اُس وقت کے مجاہدین کے کمانڈر (امیر) وحی الدین مصریؒ نے خواب دیکھا جس میں اُنھوں نے جمال الدین یمنی کو دیکھا اور اُس سے پوچھا:

''جمال الدین، جمال الدین! تمہاری نعش کہاں ہے؟ ہم اُسے تین دنوں سے ڈھونڈ رہے ہیں۔''

جمال الدین نے جواب دیا: ''اللہ نے میری نعش کو سنبھال لیا ہے۔''

وحی الدین نے پوچھا: ''اتنے دنوں سے تم کہاں تھے؟''

جمال الدین نے جواب دیا: ''میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے گفتگو کررہا تھا۔

وحی الدین مصری نے جمال الدین سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا بات کی؟''

جمال الدین نے جواب دیا:

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا: ''اے جمال الدین، تو بوسنیا کیوں آیا تھا؟'' اور میں نے اللہ کو جواب دیا: ''اے اللہ! میں یہاں صرف تیری رضا کے لئے آیا تھا''۔ یہ سُن کر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: ''آج کے دن میں نے تیرے تمام گناہ بخش دیئے اور تو جنت میں جہاں تیری مرضی ہو اُڑتا پھر۔''

ابومسلم ترکی ۔ ایک سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کی ایک روشن مثال ابومسلم ترکی کی شخصیت ہے۔ ابومسلم ترکی (عمر 51 سال) نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ برطانیہ میں گزارا تھا

اور ایک کافرجیسی زندگی گزار رہا تھا۔اس نے ایک برطانوی عورت سے شادی کررکھی تھی۔ابومسلم ترکی نہ نماز پڑھتا تھا اور نہ ہی اسلام کے کسی اور حکم پر عمل کرتا تھا۔پھر اللہ نے ابومسلم کو ہدایت عطا فرمائی اور ابومسلم آہستہ آہستہ اسلام کی طرف آنا شروع ہوا۔ جب 1992ء میں ابومسلم نے بوسنیا میں سرب فوجیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتلِ عام کا سنا تو اُس نے اپنے آپ سے کہا:

> ''اگر مجھے اللہ اور اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہے تو مجھے اپنے عمل سے اس محبت کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے۔مجھے بوسنیا ضرور جانا چاہیے اور کفار سے جہاد کرنا چاہیے۔عین ممکن ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ میرے ماضی کے گناہوں کو بخش دے۔''

سربوں کے خلاف ایک معرکے میں حصہ لینے کے لیے مجاہدین کے لیڈر نے جن مجاہدین کا انتخاب کیا اُن میں ابومسلم ترکی کو اُس کی بڑی عمر کی وجہ سے شامل نہیں کیا تو ابومسلم ترکی یہ سن کر چھوٹے بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونے لگ گیا یہاں تک کہ مجاہدین کے امیر نے مجبوراً ابومسلم کو اُس معرکے میں شامل کرلیا۔ جنگ کے دوران مشین گن کی ایک گولی ابومسلم کے بازو میں لگی جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے ابومسلم کے بازو میں لوہے کی سلاخ (Metal Rod) لگائی اور اُسے بتایا کہ یہ سلاخ چھ ماہ تک بازو میں لگی رہے گی تاکہ بازو کی ہڈی جڑ جائے۔ابومسلم ہر وقت اپنے بازو کی ورزش کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ صرف 45 دنوں کے بعد ڈاکٹر نے اُسے بتایا کہ اس کا بازو بالکل ٹھیک ہوگیا ہے اور ڈاکٹر نے لوہے کی سلاخ اُتار دی۔ ہر کوئی اِس بات پر حیران تھا کہ صرف 45 دنوں میں اُس کا بازو کیسے ٹھیک ہوگیا۔

ابومسلم جنگی مشقوں کے ساتھ درود شریف کا ورد بھی کثرت سے کرتا رہتا تھا۔اُس کا دل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز تھا۔اب اُس نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

میں داڑھی بھی رکھ لی تھی ۔ایک بڑی جنگی آپریشن سے ایک روز پہلے ابومسلم ترکی نے ایک خواب دیکھا جس میں اُس نے امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ۔خواب میں ابومسلم ترکی نے فوراً جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو چومنا شروع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے ابومسلم! میرے قدموں کو نہ چومو!'' پھر ابومسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسہ دینا شروع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا:''میرے ہاتھوں کو بوسہ نہ دو۔اے ابومسلم! بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟'' ابومسلم ترکی نے جواب دیا:

''یارسول اللہ! میرے لیے دعا فرمائیں کہ کل کے جنگی آپریشن میں مجھے شہادت نصیب ہو جائے۔''

اگلے دن جنگی آپریشن سے پہلے کمانڈر ابوالحارث نے معرکے کے لئے مجاہدین کا انتخاب کیا تو اُنھوں نے ابومسلم ترکی کو منتخب نہیں کیا اور اُن سے کہا:''تم ابھی تک زخمی ہو اِس لئے میں تمہیں منتخب نہیں کر سکتا۔'' ایک مجاہد جو وہاں موجود تھا وہ بیان کرتا ہے کہ یہ سُن کر ابومسلم نے بچوں کی طرح زاروقطار رونا شروع کر دیا اور ابومسلم نے ابوالحارث کو کہا:''خدا کا خوف کرو۔'' وہاں پر موجود بعض مجاہدین نے ابومسلم ترکی کو سمجھایا:

''اے ابومسلم! تم اتنے زور سے مت رو کہ سرب فوجیوں کو تمہارے رونے کی آواز چلی جائیگی۔''

ابومسلم نے جواب دیا:''خدا کی قسم! اگر تم نے مجھے اِس جنگی آپریشن میں شامل نہ کیا تو میں اتنے زور سے رونا شروع کر دوں گا کہ سارا ملک میرے رونے کی آواز سنے گا۔'' پھر ابومسلم نے امیر ابوالحارث سے کہا:

''میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھے اِس جنگی آپریشن میں شامل کر دیں

چاہے مجھے آخری صف میں شامل کردیں ۔''

امیر ابوالحارث نے ابومسلم سے پوچھا:

''کیا تم صحیح کہہ رہے ہو؟ کیا تم واقعی آخری صف میں شامل ہونا گوارا کرلوگے؟''

ابومسلم نے جواب دیا:''مجھے اِس جنگی آپریشن کہیں بھی شامل کرلیجئے چاہے وہ آخری صف ہولیکن مجھے شامل ضرور کریں ۔''

چنانچہ ابومسلم ترکی نے جنگ میں حصہ لیا ۔ گو کہ ابومسلم آخری صف میں تھا لیکن لڑائی کے دوران جنگ کا پانسہ ایسا پلٹا کہ آخری صف اچانک پہلی صف میں بدل گئی ۔ لڑائی کے دوران سرب فوجیوں کی ایک گولی سیدھی ابومسلم کے دل میں لگی جس سے ابومسلم کی شہادت فوراً واقع ہوگئی ۔ وہ اِس معرکے کا دوسرا شہید تھا ۔ غیر مسلم سرب فوجیوں نے شہید ہونے والے مجاہدین کی نعشوں پر قبضہ کرلیا اور تین ماہ کے بعد اُن شہداء کی نعشیں واپس کیں ۔ ابومسلم ترکی شہید کے جسم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی اور اُس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی ۔ جتنے لوگ وہاں موجود تھے اُنھوں نے یہ بات تسلیم کی کہ ابومسلم اب پہلے سے زیادہ سفید اور خوبصورت نظر آرہا تھا ۔

صَیَّاد الفلسطینی کی شہادت اور اُس کی والدہ کا خواب

صَیَّـــاد کی پیدائش لندن میں ہوئی لیکن چھوٹی ہی عمر میں وہ اپنے والدین کے ساتھ سعودی عرب منتقل ہوگیا ۔ اپنے لڑکپن کا دور سعودی عرب میں گزار کر 12 برس کی عمر میں صیاد واپس برطانیہ آگیا ۔ وہ بہت ذہین اور جسمانی لحاظ سے چاک وچوبند نوجوان تھا ۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مذاق کرنا اور شرارتیں کرنا پسند کرتا تھا چونکہ اُس کے والدین

کا تعلق فلسطین سے تھا، اِس لئے اُس کی فیملی جہاد کی اہمیت کو سمجھتی تھی۔

جب بوسنیا میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہوا تو **صیاد الفلسطینی** نے ایک مجاہد کے جمعہ کے خطبہ میں اُس کا ذکر سنا۔ وہ مجاہد خود بوسنیا میں جہاد کر رہا تھا۔ صیاد نے بھی بوسنیا جا کر جہاد کرنے کا ارادہ کیا لیکن اُس کی عمر اُس وقت صرف 16 برس تھی، اِس لئے اُس کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ کالج میں داخلے کے بعد صیاد کو کالج کی اسلامی سوسائٹی کا لیڈر منتخب کرلیا گیا اور صیاد نے اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل شروع کر دیا۔

اب صیاد کے دل میں دوبارہ دنیا کے کسی خطے میں جا کر جہاد کرنے کی خواہش اُبھری۔ صیاد نے کالج کی پڑھائی کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب کرتے ہوئے اپنے پاس پیسے جمع کرنے شروع کردیئے جن میں سے کچھ کمائی وہ اپنے والدین کو دیتا تھا اور باقی پیسے جہاد کے سفر کے لئے جمع کر کے رکھتا تھا۔ وہ اپنے جہاد کے سفر کے لئے کسی سے ایک پیسہ بھی مانگ کر نہیں لینا چاہتا تھا۔

بالآخر کئی مہینوں کے صبر اور تیاری کے بعد 1995ء کے موسمِ گرما میں اپنی ماں کی مکمل حمایت اور حوصلہ افزائی سے صیاد نے برطانیہ کو خیرآباد کہا اور بوسنیا کی طرف سفر شروع کیا۔ صیاد کے دو دوست جو اُسے لندن کے کوچ سٹیشن تک چھوڑنے گئے انھوں نے صیاد کے عام حالات میں مسکراتے چہرے پر اُس دن اداسی کے آثار دیکھے تو اُس سے وجہ پوچھی۔ صیاد نے اُنھیں بتایا کہ وہ اپنی عظیم والدہ سے بچھڑنے کی وجہ سے اُداس ہے۔ شاید صیاد کے اندر کا وجدان اُسے بتا رہا تھا کہ وہ اپنی والدہ کو اِس زندگی میں دوبارہ نہ دیکھ سکے گا۔

بوسنیا جا کر صیاد نے کچھ عرصہ ٹریننگ کیمپ میں گزارا اور بہت کچھ سیکھا۔ پھر سرحدوں پر واقع فرنٹ لائن بیس کیمپ میں اُسے بھیج دیا گیا جہاں پر صیاد پہاڑوں پر تین روزہ گارڈ

ڈیوٹی (سرحدی چوکی پر) دیتا۔ بوسنیا میں البدر نامی جنگی آپریشن میں صیاد نے فرنٹ لائن میں حصہ لیا اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ یہ انصار (غیر ملکی) مجاہدین کی بوسنیا کی سرحدوں پر سب سے بڑی جنگی کاروائی تھی جس میں مجاہدین نے پالجینگ کی پہاڑی (Mount Paljenik) کو سربوں کو شکست دے کر صرف 4 منٹ میں فتح کرلیا۔ اِس معرکے میں مجاہدین نے سینکڑوں سربوں کو ہلاک کیا اور کئی سربوں کو قیدی بنایا۔ اسکے علاوہ مجاہدین نے کئی مسلم آبادی کے دیہاتوں اور قصبوں کو سربوں کی غلامی سے نجات دلوائی۔

صیاد کی عربی اور بوسنین دونوں زبانوں میں مہارت کی وجہ سے وہ غیر ملکی اور بوسنین مجاہدین میں یکساں مقبول تھا۔ وہ جہاد کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔ وہ ہر وقت اپنے آپ کو ٹریننگ میں مصروف رکھتا تھا اور دشمن پر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہونے کے سلسلے میں مشورے دیتا رہتا تھا۔ اب تک صیاد کی انگلینڈ سے آئے ہوئے 3 ماہ ہو چکے تھے اور اس کا ارادہ اب پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہو گیا تھا کہ یا تو وہ اِس سرزمینِ جہاد پر لڑتے ہوئے شہید ہو جائے یا پھر اللہ تعالیٰ مجاہدین کو دشمنوں پر فتح عطا فرما دے۔

جب سے بوسنیا میں جنگ شروع ہوئی اُس تمام عرصہ سے مغربی طاقتیں بوسنیا میں مسلمانوں کا ذبحِ عام اور مسلمان عورتوں کی مسلسل آبرو ریزی کا تماشا دیکھتی رہیں لیکن پھر جونہی غیر ملکی مجاہدین نے آکر عیسائی سربوں اور کروٹس کے خلاف اسلامی جہاد شروع کیا اور اُنکے خلاف فتوحات شروع کیں تو فوراً مغربی ممالک کے غیر مسلم حکمرانوں نے ہنگامی طور پر جمع ہو کر دسمبر 14، 1995ء میں ڈیٹن امن معاہدہ (Dayton peace accord) پر دستخط کر کے جنگ بندی کا اعلان کروا دیا تا کہ بوسنیا میں مجاہدین کو حاصل ہونے والی فتوحات کو روکا جا سکے۔ صیاد، مغرب کی اِس شاطرانہ چال کی وجہ سے بہت پریشان تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ پورے بوسنیا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو سکے۔

دسمبر 1995ء کے اوائل میں ایک روز صیاد اپنے دوستوں کے ایک گروپ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جو آپس میں کچھ مذاق کر رہے تھے۔ صیاد اُن کا ہنسی مذاق سن کر رونے لگ گیا اور غصے سے اپنے مجاہد ساتھیوں سے اُس نے کہا: ''ہم سب آخر کیوں ہنس رہے ہیں؟ کفار کی طرف دیکھو۔ وہ پہلے سوچتے ہیں اور منصوبہ بناتے ہیں اور وہ لوگ ہم پر ہنس رہے ہیں کیونکہ اُن کی اپنی ریاست ہے لیکن ہم مسلمانوں کی طرف دیکھو، ہماری اسلامی ریاست ابھی وجود میں نہیں آئی لیکن ہم پھر بھی ہنس رہے ہیں۔''

بعض ساتھیوں نے صیاد کے متعلق بتایا کہ اُن دنوں میں صیاد نے راتوں کو نوافل میں قیام بہت طویل کر دیا اور ہر وقت تلاوتِ قرآن کرتا رہتا تھا۔ کچھ روز کے بعد اُس نے اپنی والدہ کو فون کر کے کچھ پیسے بھجوانے کو کہا کیونکہ وہ واپس جا کر اپنی والدہ سے مختصر عرصہ کے لئے ملنا چاہتا تھا۔ پھر 10 دسمبر، 1995ء بروز اتوار صیاد نے اپنی والدہ کو دوبارہ فون کیا اور کہا کہ وہ اُسے پیسے نہ بھجوائے کیونکہ اُسے اُن پیسوں کی ضرورت نہ ہوگی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صیاد الفلسطینی کو تین روز کے بعد اپنی ہونے والی شہادت کے متعلق اللہ کی طرف سے علم ہوگیا تھا۔ صیاد اپنی عبادات میں بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ 12 دسمبر 1995ء بروز منگل (یعنی اپنی والدہ سے فون پر بات کرنے کے تین روز بعد) مجاہدین کے زینتزا (Zenitza) میں واقع ہیڈ کوارٹر کے باہر غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے اسلحے سے بھری ہوئی ایک وین میں دھماکہ ہوا جبکہ صیاد اُسکے بالکل قریب کھڑا ہوا تھا۔ دھماکے کے نتیجے میں صیاد کا جسم اڑ کر 30 میٹر دور جا کر گرا۔ صیاد دھماکے کے فوراً بعد شہید ہو گیا۔ اللہ تعالٰی صیاد الفلسطینی کی شہادت کو قبول فرمائے۔ آمین۔

دھماکہ اتنا شدید تھا کہ اُس نے ارد گرد کی چیزوں کو نقصان پہنچایا۔ کچھ ساتھی اُس وین کے 10 میٹر کے قطر میں موجود تھے لیکن اللہ کی قدرت کہ اُن میں سے کسی کو خراش تک نہ آئی جبکہ اللہ کے حکم سے صیاد الفلسطینی اُس دھماکے میں شہید ہوگیا (ان شاء اللہ)۔ یہ اللہ

تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی تھی کہ شہادت اتنی آسانی سے مل جانے والی شے نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان کو صدقِ دل سے اللہ سے شہادت کو مانگنا پڑتا ہے اور اُس کے لئے نیک اعمال اور جدوجہد کرنے پڑتی ہے۔تب کہیں جا کر یہ نعمت انسان کو ملا کرتی ہے۔اور اللہ کی مرضی ہو تو ایک مجاہد کو شہادت کہیں بھی نصیب ہو سکتی ہے۔مثلاً سرحدوں سے دور رہیں کیمپ میں یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے صیاد کو عطا فرما دی۔

صیاد الفلسطینی کی شہادت سے ایک رات پہلے اُس کی والدہ نے (جولندن میں مقیم تھی) خواب میں آسمان میں ایک خوبصورت گھر دیکھا۔خواب میں اُسے ایک آواز آئی:

''اے صیاد کی والدہ، یہ تمھارا گھر ہے۔اِسے تم نے 20 سال پہلے تعمیر کرنا شروع کیا تھا اور آج کے روز یہ مکمل ہو گیا ہے۔''

صیاد کی والدہ کو اپنے خواب کے معنی فوری طور پر سمجھ نہ آئے۔ اگلے روز ایک ساتھی نے صیاد کی والدہ کو بوسنیا سے فون کر کے بتایا کہ اُس کا بیٹا صیاد شہید ہو گیا ہے اور بوسنیا سے رخصت ہو کر وہ شہداء کے کاروان میں شامل ہو چکا ہے۔شہادت کے وقت صیاد کی عمر 19 سال تھی اور اُس میں صیاد کی والدہ کے 9 ماہ حمل (Pregnancy) کے بھی شامل کر لیں تو اسلام کیلنڈر کے حساب سے یہ پورے 20 سال بنتے تھے۔ چنانچہ جس گھر کو صیاد کی والدہ نے خواب میں دیکھا تھا وہ دراصل جنت میں اُس کا گھر تھا جسے صیاد کی والدہ نے اُس دن سے تعمیر کرنا شروع کیا تھا جب سے صیاد کی پیدائش ہوئی تھی اور اُس کی تعمیر صیاد کی شہادت پر مکمل ہوئی۔

دو ہفتوں کے بعد صیاد کی والدہ نے ایک اور خواب دیکھا جس میں اُس نے دیکھا کہ ایک سبز رنگ (کیموفلیج سبز رنگ) کا پرندہ ہوا میں اُڑ رہا ہے، پھر وہ نیچے آیا اور اُس پرندے نے صیاد کی والدہ کے رُخسار پر بوسہ دیا۔ صیاد جب شہید ہوا تھا تو اُس نے

کیمو فلیج سبز رنگ کا جوڑا ہی پہنا ہوا تھا جو اُس نے انگلینڈ سے خریدا تھا۔ہم امید کرتے ہیں کہ اِن شاءاللہ، صیاد کی روح اُن سبز پرندوں کے دلوں میں رہتی ہوگی جو عرش الٰہی سے لٹکتی ہوئی قندیلوں میں رہتے ہیں جیسا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مُستند حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

صیاد ایک ایسا نوجوان تھا جس نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد فی سبیل اللہ کیا، اُس نے اپنی ایک ایک پائی اللہ کی رضا میں خرچ کر ڈالی اور بالآخر اپنا آخری قطرہ خون بھی۔ہم اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے مسلم نوجوان، جو انٹرنیٹ، ٹی وی، ڈش، کیبل، ویڈیو گیمز اور فیس بک کے سامنے بیٹھ کر اپنی زندگیوں کو ضائع کر رہے ہیں بلکہ آہستہ رفتار میں خودکشی کر رہے ہیں، وہ مسلم نوجوان، صیاد الفلسطینی کی زندگی سے سبق لیں اور مسلم مائیں صیاد کی والدہ کی قربانیوں سے سبق لیں، آمین۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ صیاد اُور اس کی والدہ کو اعلیٰ ترین جنتوں میں اکٹھا کر دے۔آمین۔

(تلواروں کے سائے میں۔عزام پبلیکیشنز۔لندن۔انگلش آڈیو)

شیخ انور شعبان ۔ بوسنیا کی جنگ میں مسلمانوں کے امام

شیخ انور شعبان کی پیدائش اور پرورش مصر میں ہوئی۔اُنھوں نے اوائل عمر سے ہی معاشرے سے برائی کو مٹانے اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنے پر اپنی کمر باندھ لی تھی۔مصر میں آمریت کا دور تھا اور عوام کی اسلام سے جہالت کی وجہ سے اللہ تعالٰی نے اُن پر ظالم حکمرانوں کو مسلط کیا ہوا تھا۔شیخ انور نے یونیورسٹی میں اسلامی علوم حاصل کرنے شروع کر دیئے اور اپنی تقاریر میں مصر کے مجرم حکمرانوں پر برملا تنقید کرنا شروع کر دی۔جلد ہی مصر کی خفیہ پولیس نے اُن کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور شیخ انور کو مصر سے ہجرت کرنی پڑی۔

مختلف اسلامی ممالک میں اسلامی علوم کی تحصیل کرنے کے بعد شیخ انور نے اٹلی میں سیاسی پناہ حاصل کی۔ 1990ء کی ابتدائی دھائی میں اٹلی میں مسلم کمیونٹی کا حال بھی وہی تھا جیسا کہ باقی یورپ اور امریکہ میں تھا بلکہ آج بھی ہے یعنی غفلت کی نیند سوئے ہوئے اور زیادہ سے زیادہ دنیا کی دولت سمیٹنے میں مصروف۔ کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر شیخ انور نے اٹلی کے شہر میلان میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ چونکہ شیخ انور کوکئی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور اُنھوں نے پوری صحیح مسلم زبانی یاد کی ہوئی تھی، اسلئے اگلے چند سالوں میں شیخ انور شعبان نے وہاں کی مسلمان کمیونٹی کے تزکیہ وتربیت پر بہت توجہ صرف کی، اُنھیں اسلامی تعلیمات سکھائیں اور اسلامی موضوعات پر کئی کتابیں طبع کروائیں۔ چنانچہ اسلامک سنٹر آف میلان میں اسلام پر بہت کچھ کام ہونا شروع ہوگیا۔

1992ء کے موسم گرما میں بوسنیا میں جنگ چھڑ چکی تھی۔ چند ہی مہینوں کے بعد شیخ انور اٹلی سے اپنے بعض دوستوں کے ساتھ بوسنیا پہنچ گئے۔ یہ چیز لازمی ہوتی تھی کیونکہ شیخ انور صرف کتابی عالم نہ تھے جو اپنے گھروں میں یا آفس میں بیٹھ کر صرف ذہنی مشقیں (mental exercises) کرتے ہیں۔ وہ ایسے عالم تھے کہ جو کچھ وہ سکھاتے تھے اُس پر خود عمل بھی کرتے تھے اور صحابہ کرام کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ہر حال میں ادا کرتے تھے۔ شیخ انور نے وہاں پر ابوعبدالعزیز اور اُن کے مُٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ کام شروع کیا اور مجاہدین اور بوسنیا کے مقامی لوگوں کو اسلامی علوم کی تعلیم اس طرح دینی شروع کی کہ شیخ انور کے ہاتھوں میں قرآن حدیث کی کتابیں ہوتی تھی اور اُن کے بدن پر ملٹری کا یونیفارم ہوتا تھا۔ شیخ انور نے صرف تعلیم وتعلم ہی نہیں کیا بلکہ خود قتال میں حصہ بھی لیا۔ چنانچہ شیخ عبداللہ العزام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شیخ انور شعبان نے بوسنیا میں مجاہدین کے دستوں کی اگلے تین سالوں تک قیادت کی۔ شیخ انور نے بوسنیا میں وہی کام کیا جو شیخ عزام نے افغانستان میں روس کے خلاف جہاد میں کیا تھا۔

اِس دوران میں شیخ انور کئی بار اٹلی گئے اور مزید رضا کاروں کو جہاد پر اُبھار کر بوسنیا لائے۔ اٹلی میں رہنے والے بہت سے مسلمانوں نے شیخ انور کی پکار پر لبیک کہا اور جہاد کی سرزمین میں پہنچ گئے۔ شیخ انور کی پکار پر لبیک کہنے والوں میں اُن کے اپنے گھر والے بھی تھے یعنی اُن کی بیوی، بیٹی اور پانچ بیٹے۔ شیخ انور کا 12 سالہ بیٹا مجاہدین کے حملہ آور گروپ میں حصہ لیتا تھا جبکہ اُن کے 9 اور 10 سالہ بیٹے ٹریننگ کیمپ میں شامل تھے۔

1995ء کا موسم گرما آ گیا تھا اور شیخ انور نے عیسائی سربوں کے خلاف تین سب سے بڑی کاروائیوں (عسکری آپریشن) کی پلاننگ کرنے میں نہایت فعال کردار ادا کیا، جن معرکوں میں چوٹی کے مجاہدین کو شہادت نصیب ہوئی مثلاً **ابو عبداللہ لِبّی، ابو معاذ الکویتی اور ابو ثابت المہاجر (رحمۃ اللہ علیہم)**۔ شیخ انور بعض اوقات بنکرز میں کئی کئی دن گزارتے، دشمنوں کی پوزیشن کا مطالعہ کرتے اور کمانڈروں کی جنگی پلان بنانے میں مدد کرتے۔ پھر معرکہ شروع ہونے سے چند دن پہلے وہ نیچے آتے اور مجاہدین کے ایمان کو گرمانے اور جنت تک پہنچنے کے عزم کو پختہ تر کرنے کے لئے ایمان افروز تقاریر کرتے۔ مثلاً جولائی 1995ء میں آپریشن مریکل (Operation Miracle) کے شروع ہونے سے ذرا پہلے آپ نے مجاہدین سے خطاب میں فرمایا:

> ’’میں آپ لوگوں کو اللہ کے حکم سے ایک قریبی فتح کی خوشخبری سُناتا ہوں اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا بنائے کہ ہم دشمن کو بار بار نقصان پہنچائیں۔ اللہ کے راستے میں شہادت ہماری سب سے بڑی خواہش ہے۔ وہ تو اُسی وقت ہمیں ملے گی جب اللہ کا حکم ہو گا لیکن ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا بنا دے جو دشمن کو بار بار عذاب کا مزا چکھائیں۔‘‘

اُس کے بعد کا جنگی معرکہ ’’آپریشن بدر‘‘ تھا جس میں مجاہدین کی شاندار فتح نے نہ صرف بوسنیا پر قابض سربوں میں بلکہ پوری دنیا میں خطرے کی لہر دوڑا دی اور اُنھوں نے

یورپ کے دل میں بغاوت کو محسوس کرلیا۔ ''آپریشن بدر'' میں مسلمانوں کی فتح کے چند ہی دنوں کے بعد پوری دنیا کے کافر صلیبی لیڈروں نے ہنگامی طور پر میٹنگ کی تاکہ مجاہدین کے ہاتھوں بوسنیا میں مزید فتوحات کو روکا جاسکے۔فوری طور پر جنگ بندی (Cease-fire) کے معاہدے پر دستخط کیے گئے اور ایک طویل المعیاد منصوبہ بھی تیار کیا گیا جس کے مطابق بوسنیا میں مقیم تمام غیر ملکی مجاہدین کو یہاں سے نکال دینے کو کہا گیا تھا۔ چند ہفتوں کے اندر جنگ بندی کروادی گئی۔پچھلے تین سال تک تمام دنیا بیٹھ کر بوسنیا کے مسلمانوں کا سرب عیسائی شدت پسندوں کے ہاتھوں قتلِ عام کا تماشا خاموشی سے دیکھ رہی تھی لیکن اب جونہی مسلم مجاہدین نے لڑنا شروع کیا اور فتوحات حاصل کرنی شروع کیں تو اب فوراً کفار نے جنگ کو زبردستی بند کروادیا۔اس موقع پر شیخ انور نے مجاہدین میں غم و غصے کی لہر کے باوجود اُنھیں صبر کی تلقین کی اور معاہدے کا احترام کرنے کو کہا اور بتایا کہ جب لڑائی دوبارہ شروع ہوئی تو ہم پہلے سے زیادہ تیاری کے ساتھ لڑیں گے۔

عیسائی اقوام کے لئے ایک بڑا مسئلہ یہ بن گیا تھا کہ بوسنیا کے نئے نامزد صدر علیجاہ عزت بیگووچؒ نے باہر سے آئے ہو مجاہدین کو اپنے ملک سے نکالنے سے انکار کردیا اور ہر مجاہد جس نے بوسنیا کی آزادی کے لیے جہاد کیا تھا اُسے بوسنیا کی شہریّت (nationality) دیدی۔ جب دنیا کی دجالی اور کفار طاقتیں سرکاری طریقے سے غیر ملکی مجاہدین کو بوسنیا سے ملک بدر کرنے میں ناکام رہیں تو اُنھوں نے وہی اپنا روایتی دھوکہ بازی والا طریقہ اختیار کیا (جو کفار قوموں بالخصوص عیسائیوں اور یہودیوں کا پرانا طریقہ ہے)۔بوسنیا میں مجاہدین کے کمانڈروں کا ایک مرکزی گروپ تھا جن کی موجودگی سے عیسائی اقوام تھر تھر کانپ رہی تھیں۔اُس مرکزی گروپ میں شیخ انور شعبان، ڈاکٹر ابو الحارث اللیبّی اور ابو زید نجدی شامل تھے۔

صیاد الفلسطینی کو دفن کرنے کے دو (2) روز کے بعد 14 دسمبر، 1995ء کی صبح کو

فجر کی نماز کے بعد شیخ انور شعبان نے زنیکا (Zenica) میں مجاہدین کے ہیڈ کوارٹرز میں مسلمانوں کو خطاب کیا۔ شیخ انور شعبان کے الفاظ سے مجمع میں موجود تمام لوگ دم بخود ہو گئے کیونکہ اِس سے پہلے وہ کبھی اِس طرح سے نہیں بولے تھے۔ اُنھوں نے بوسنیا کی موجودہ حالت کے متعلق بات کی اور بتایا کہ کسطرح دنیا کی طاقتیں ڈیٹن امن معاہدے کی آڑ میں بوسنیا میں اسلام کے احیاء کو روکنا چاہتی ہیں۔ اُنھوں نے ساتھیوں کو صبر کی تلقین کی اور اُس وقت کو اپنی تیاری پر صرف کرنے کی نصیحت کی۔ بہت سے ساتھی جو اِس لیکچر میں موجود تھے انھوں نے شیخ انور شعبان کے چہرے پر اُس صبح کو غیر معمولی چمک دمک دیکھی۔ تقریر کے بعد شیخ انور شعبان اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی کو بتایا کہ اُنھیں جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ شیخ انور کی بیوی نے اُن سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ اُنھوں نے کوئی ایسا عمل کیا ہو جو اللہ کو پسند آیا ہو۔ شیخ انور شعبان نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ جب وہ سرحدوں کے دورے سے واپس آئیں تو وہ انھیں یاد کروائیں کہ شیخ انور اپنی وصیت پر نظر ثانی کریں۔

شیخ انور، سرحدی چوکیوں کا مختصر دورہ کرنے کے لیے ہیڈ کوارٹر واپس آئے۔ چونکہ اُن کے دورے کے دوران کروٹس (Croats) کے غیر مسلم علاقوں سے اُنھیں گزرنا پڑتا تھا اس لئے یہ معمول تھا کہ جب بھی مجاہدین کے اعلیٰ عہدیداران کمانڈرز مختلف قصبوں کا گشت کرتے تھے تو بوسینا کی آرمی کا ایک محافظ دستہ (Bosnian army escort) اُن کے ساتھ جاتا تھا۔ اُس دن عجیب بات ہوئی کہ جب اُن چار کمانڈرز کے نام فون پر بوسینا کے آرمی آفیسر کو بتائے گئے تو اُس نے جواب میں کہا کہ محافظ دستے کی کوئی ضرورت نہیں اور سب کچھ ٹھیک رہے گا۔ یہ چار ساتھی مع اپنے ڈرائیور کے ٹویوٹا لینڈ روور جیپ (Toyota Land Rover Jeep) میں سوار ہوئے اور اُن کے پاس اپنی ذاتی کلاشنکوف رائفلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ الجزائر کا ابوحمزہ اُن کا ڈرائیور تھا جب کہ اُس کے ساتھ اگلی سیٹوں

پر شیخ انور اور ابو زیاد نجدی بیٹھے ہوئے تھے۔ پچھلی سیٹوں پر ڈاکٹر ابو الحارث اللبّی، ابو حمام نجدی اور ابو زیاد نجدی بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ تمام ساتھی پہلے کروایشین (Croation) چیک پوائنٹ پر پہنچے تو اُنھیں بغیر کسی رکاوٹ کے وہاں سے جانے دیا گیا گو کہ یہ لوگ ضرورت پڑنے کی صورت میں ہر چیک پوائنٹ پر لڑنے کے لیے تیار تھے۔ جب یہ لوگ دوسرے چیک پوائنٹ پر پہنچے جو کہ کروشیا (Croatia) کے ایک قصبے ''زیپسے'' (Zepce) کے داخلے پر بنا ہوا تھا تو اُن کی گاڑی کو چند منٹوں کے لیے روکا گیا اور اُن کے قریب سے ایک بڑا آرمی کا ٹرک گزرا۔

اسکے بعد زیپسے (Zepce) کے قصبے کو عبور کر کے شیخ انور اور اُن کے ساتھی جب تیسرے چیک پوائنٹ پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ وہی آرمی کا بڑا ٹرک جسے اُنھوں نے دوسرے چیک پوائنٹ پر دیکھا تھا اور جو اُن کے قریب سے گزرا تھا وہ ٹرک یہاں بھی پہنچ گیا اور اُن کی گاڑی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ چیک پوائنٹ کے عیسائی کروشین فوجیوں نے شیخ انور اور اُن کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ گاڑی سے باہر نکل آئیں۔ شیخ انور نے فوراً مجاہدین کے مرکزی امیر ابو معالی کو ریڈیو پیغام بھیجا: ''اُنھوں نے ہمیں روک لیا ہے۔'' یہ شیخ انور شعبان کے آخری الفاظ تھے۔ اچانک شیخ انور کے سامنے پارک کیے گئے آرمی ٹرک کے پیچھے سے موٹا کپڑا (Canvas) اُٹھایا گیا اور اُس ٹرک میں کروشین عیسائی فوجی اپنی طاقتور پی کے مشین گنز (PK machine guns) نصب کیے بیٹھے تھے۔ اُن فوجیوں نے مکمل آٹو میٹک پر رکھ کر اپنی مشین گنز کے فائر مجاہدین کی جیپ پر کھول دیے۔ شیخ انور اور اُن کا ڈرائیور فوراً شہید ہو گئے۔ پھر ڈاکٹر ابو الحارث اللبّی بھی شہید ہو گئے۔ ابو زیاد النجدی اور ابو حمام النجدی کسی طرح جیپ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے حملہ آوروں پر انھوں نے جوابی فائر کیے جس سے دو یا تین کروشین عیسائی فوجی واصل جہنم

ہوئے ۔ پھر اُن کی رائفلوں میں گولیاں ختم ہو گئیں تو اُنھیں شہید کر دیا گیا ۔(ان شاء اللہ)

شیخ انور شعبان کو باقی چار ساتھیوں کے ساتھ بوسنیا کے شہداء کے قبرستان میں دفن کیا گیا ۔ شیخ انور نے اپنی تمام زندگی دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر کے پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک مثال قائم کر دی، جنھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر گوشے میں پیروی کی ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا تھا:

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (ترمذی، صحیح للالبانی)

(علماء، نبیوں کے وارث ہوتے ہیں ۔)

آج دنیا میں ہزاروں علماء، دینِ اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں لیکن شیخ انور شعبان اُن گنتی کے چند علماء میں سے تھے جو اپنے علم کو سرحدی مورچوں تک لے کر گئے اور اپنے علم کو وہاں استعمال کیا جہاں اُس کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری کی حدیث میں فرمایا تھا کہ قیامت کے قریب زمانے میں علم کو اٹھالیا جائے گا جس کا مطلب کتابوں کا غائب ہو جانا نہیں بلکہ علمائے حق کا دنیا سے اٹھا لیا جانا بتایا گیا ہے ۔ شیخ انور شعبان نے امتِ مسلمہ کے دشمنوں کے خلاف اُمت کی راہنمائی کا فریضہ نہایت خوبصورتی سے انجام دیا یہاں تک کہ اُنھیں اپنی جان کی قیمت دینی پڑی ۔ انھوں نے بوسنیا کے مجاہدین کی قیادت کا بار جنگ کے تین سال تک اپنے کاندھوں پر اٹھائے رکھا اور اب جبکہ جنگ اپنے اختتام پر پہنچ رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے شیخ انور شعبان کو وہ تحفہ عطا فرما دیا جس کے لئے وہ طویل مدت سے کوشش کر رہے تھے یعنی شہادت کا تحفہ ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ شیخ انور شعبان کی زندگی کے ذریعے پوری دنیا کے مسلم عوام اور علماء کو یہ پیغام مل سکے کہ آخرت میں حقیقی عزت، اِس دنیا میں صرف اسلام کی زبانی تلقین و تبلیغ کے ذریعے نہیں بلکہ اسلام پر مکمل طور پر عمل سے حاصل ہو گی ۔

انجینئر احسن عزیز اور اُن کی بیوی عذرا بتول ترابی کی افطاری کے وقت شہادت

یہ 29 رمضان المبارک (18 اگست 2012ء) کو افطار سے کچھ پہلے کا وقت تھا جب انجینئر احسن عزیز اور اُن کی بیوی عذرا ترابی، شمالی وزیرستان میں پاک افغان سرحد کے قریب ایک ڈرون حملے کے نتیجے میں شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ وہ اُس وقت روزہ افطار کرنے کی تیاری میں تھے بلکہ انہوں نے روزہ افطار کرنے کے لئے کھجوریں اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو شاید یہ منظور تھا کہ وہ روزہ یہاں افطار کرنے کی بجائے جنت میں پہنچ کر افطار کریں۔لہٰذا عین اُس وقت ایک ڈرون حملے کے نتیجے میں وہ دونوں شہید ہو گئے۔ چنانچہ اُن کی شہادت کے بعد دیکھا گیا کہ کھجوریں اسی طرح اُن کے ہاتھوں میں لی ہوئی تھیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ جس جگہ ان دونوں شہیدوں کا مقدس خون گرا تھا، وہاں سے ایک ایسی خوشبو آ رہی تھی بلکہ اب تک آ رہی ہے جو اس دنیا کی خوشبوؤں سے بالکل مختلف اور اعلیٰ درجے کی ہے۔ یہ صحیح ترمذی میں وارد اس حدیث شریف کے عین مطابق ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شہداء کے خون کا رنگ تو خون کا ہوتا ہے لیکن اُس کی خوشبو کستوری کی ہوتی ہے۔(بحوالہ جامع ترمذی، کتاب فضائل جہاد، حدیث نمبر 1656) مزید برآں عینی شاہدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان دونوں کو جہاں دفن کیا گیا ہے وہاں رات کے وقت ایک ایسا نور آسمان سے اترتا ہوا دکھائی دیا جس نے ان دونوں کی قبروں کو منور کر رکھا تھا اور یہ کیفیت صبح تک برقرار رہی۔

انجینئر احسن عزیز شہید بنیادی طور پر میر پور آزاد کشمیر سے تعلق رکھتے تھے۔اُن کی شادی 1997ء میں محترمہ عذرا بتول سے ہوگئی جو اسلامی یونیورسٹی کی گریجویٹ تھیں اور بہت بڑی عالمۂ دین بھی تھیں، وہ اپنے تقویٰ اور دین کے فہم اور شعور کے اعتبار سے ایک منفرد حیثیت رکھتی

تھیں۔ جب 1990ء میں جہادِ کشمیر کا آغاز ہوا تو انجینئر احسن عزیز انجینئرنگ کے آخری سال کے طالب علم تھے۔انہوں نے جہادِ کشمیر کا آغاز ہوتے ہی اپنی تعلیم کو خیر باد کہا اور مجاہدین کشمیر کی سب سے بڑی تنظیم حزب المجاہدین سے وابستہ ہو گئے۔چنانچہ اُنہیں حزب المجاہدین کی دینی اور اخلاقی تربیت کے شعبے کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔ یہ اُنہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ حزب المجاہدین کے دینی اور اخلاقی شعبے کے لئے ایک مربوط نظام تربیت تشکیل دیا گیا، جس کے مطابق حزب المجاہدین سے وابستہ مجاہدین کو جہاد کے مقاصد، آداب اور احکام کی تعلیم دی گئی۔اس مقصد کے لیے حزب المجاہدین کے کیمپوں میں ایک ایسا نظام تشکیل دیا گیا جس کے تحت رات کا بیشتر حصہ قیام اللیل، نمازِ تہجد اور تسبیح و تہلیل میں گزرتا تھا، صبح کے وقت تلاوت قرآن مجید اور اُس کے بعد درسِ قرآن، اور پھر ناشتے کے بعد تاریخ اسلام کا مطالعہ اور اُس کے بعد عسکری مشقیں، دن کے کھانے کے تھوڑی دیر بعد قیلولہ، اور پھر درسِ حدیث کا اہتمام ہوتا تھا، نمازِ مغرب کے بعد عالمی اسلامی تحریکوں کے بارے میں سٹڈی سرکل اور مجلسِ مذاکرہ ہوتی تھی، اور پھر عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھا کر آرام اور سونے کا وقفہ ہوتا تھا۔ اِس مربوط نظام تعلیم و تربیت کو مرتب کرنے میں انجینئر احسن عزیز کی کوششوں کو سب سے زیادہ دخل تھا۔

2001ء میں جب افغانستان پر صلیبی ممالک نے مل کر حملہ کر دیا اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا تو انجینئر احسن عزیز کا جذبۂ جہاد اُنہیں کشاں کشاں افغانستان لے گیا اور پھر انہوں نے اپنے آپ کو جہادِ افغانستان کے لیے وقف کر دیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد ان کا شمار مجاہدین افغانستان کی اگلی صفوں میں ہونے لگا، اس جہاد میں اُن کی بیوی عذرا بتول بھی اُن کے دوش بدوش شریک رہیں اور بالآخر 29 رمضان المبارک کو دونوں میاں بیوی نے عین افطار کے وقت ایک ڈرون حملے کے نتیجے میں اکٹھے جام شہادت نوش کیا، اللہ تعالیٰ اُن کی شہادت کو قبول فرمائے۔آمین

انجینئر احسن عزیز ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی تھے۔انہوں نے نوجوانی میں ہی

ایسی بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔اُن کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں:

1) تمہارا مجھ سے وعدہ تھا
2) اجنبی کل اور آج
3) اک فرض جسے ہم بھول گئے

سراقہ الاندلسی کی خُراسان کے پہاڑوں کی طرف ہجرت اور شہادت

"یا اللہ، میں اِن پہاڑوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا یہاں تک کہ تو مجھے شہادت عطا کر دے۔" (سراقہ کی دعا)

29 رمضان المبارک 1422ء (14 دسمبر 2001) کو بروز شب جمعہ مشرقی افغانستان میں تورا بورا کی جنگ میں Azzam.com کے نامہ نگار (Correspondent) سراقہ الاندلسی کو ایک امریکن کلسٹر بم سے شہید کر دیا گیا۔اُس وقت اُس کی عمر 28 سال تھی۔اُس نے اپنے پیچھے ایک بیوی اور دو بچے (ایک بیٹا اور ایک بیٹی) چھوڑے۔

سراقہ کے بھائی کے تاثرات

سُراقہ کا بچپن بھی عام بچوں کی طرح تھا۔وہ سکول میں بہت اچھے گریڈز لیتا تھا۔اُس کے والدین نے اُسے اسلام کی بنیادی تعلیمات سکھائی تھیں۔وہ ایک مغربی ملک کے ایسے علاقے میں پروان چڑھا جہاں بہت کم مسلمان تھے۔جب وہ یونیورسٹی گیا تو اُس کی فکر میں وسعت آئی۔

وہ ایسے مسلمانوں سے ملا جو دعوتِ اسلامی کے کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ اُس نے مختلف دروس میں شامل ہونا شروع کردیا۔ یونیورسٹی میں اُسے مختلف مسلمانوں کے گروپ ملے۔ اُسے وقت کے ساتھ احساس ہوا کہ ہر گروپ میں کچھ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ اُسے ایک بھی ایسا گروہ نظر نہیں آرہا تھا جس میں مکمل توازن ہو اور اُن کا اسلام پر مکمل عمل ہو۔ اُس نے محسوس کیا کہ بعض گروپ بڑے فصیح البیان تھے مگر اُن میں عمل کا فقدان تھا۔

ایک دن سراقہ کے ہاتھ Azzam recordings (لندن) کی جاری کردہ آڈیو کیسٹ بعنوان "In the Hearts of Green Birds" (سبز پرندوں کے دلوں میں) لگ گئی جس کو سننے سے اُسے احساس ہوا کہ یہی وہ راستہ تھا جس کو وہ مدت سے تلاش کررہا تھا۔ اُسے ایسا لگا جیسے اُسے کوئی گمشدہ دوست مل گیا ہے جس کو وہ اب نہیں چھوڑ سکتا ہے۔ اُس آڈیو کیسٹ نے سراقہ پر بہت گہرے نقوش چھوڑے کیونکہ اُس میں ایسے لوگوں کی زندگیوں کا ذکر تھا جنھوں نے دین اسلام کو فتح اور نصرت دینے کے لئے اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی اپنی زندگی کی قربانی پیش کردی تھی۔ پھر سراقہ کو عصر حاضر کے مجدد شیخ عبداللہ عزامؒ کی تصنیفات کو پڑھنے کا موقع ملا۔ سراقہ اُن کی دل سے قدر کرتا تھا کیونکہ شیخ عبداللہ عزام صرف کتابی عالم نہ تھے بلکہ رسول کریمؐ کی سیرت پر عمل کرنے والے مجاہد عالم تھے۔

یونیورسٹی میں سراقہ اپنے ہم عمر لڑکوں میں اسلامی تعلیمات کی مسلسل تبلیغ کرتا رہتا تھا اور کبھی راتوں کو دیر تک جاگ کر مسلمان لڑکوں کو اسلامی تعلیمات سکھایا کرتا تھا۔ سراقہ کی تبلیغ کے اثر سے اُس کے ہم عمر دوستوں نے اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرنا شروع کردیا۔ تاہم وہ تمام مسائل جو آج کے نوجوانوں کو تنگ کرتے ہیں وہی مسائل سراقہ کے لیے بھی لمحۂ فکریہ تھے۔ مثلاً:

- اُمت مسلمہ میں صحیح تبدیلی کیسے آئے گی؟
- اب کرنے کا اصل کام کیا ہے؟

- رسولوں کے اصل جانشین کون لوگ ہوتے ہیں؟
- اُن سیکولر حکومتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے جو مسلمان ممالک پر حکمرانی کر رہی ہیں؟

جب سراقہ نے اُن سوالات کے جوابات ڈھونڈنے شروع کیے تو اس نے محسوس کیا کہ علم کے دعویداروں کی اکثریت حق بات کہنے سے کتراتی ہے بلکہ اُن کا حال تو اقبال یہ ہے کہ:

ے احکام تیرے حق ہیں پر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند

تاہم سراقہ نے فیصلہ کیا کہ وہ حق بات کا ساتھ دے گا چاہے اُس کے دوست بھی اُس کا ساتھ چھوڑ جائیں۔ سراقہ اکثر ورقہؓ بن نوفل کے اُس قول کو دہراتا تھا جو ورقہ بن نوفل نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت آنے پر کہا تھا: ''جو شخص بھی اس پیغام کو لے کر آیا، اُس کی مخالفت کی گئی۔''

جیسے جیسے سراقہ نے انبیاء اور رسولوں کی اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جدوجہد کے متعلق پڑھا اور دیکھا کہ کس طرح صحابہ کرام، تابعین عظام اور آئمہ کرام مثلاً امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ نے حق کے راستے میں جدوجہد کی تو سراقہ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اصل راستہ یہی ہے کہ علم اور جہاد کو ساتھ ساتھ چلایا جائے۔ عصرِ حاضر کے علماء اور داعیوں میں سے جنھوں نے سراقہ کی فکر پر اثر ڈالا اُن میں سید قطب، شیخ عبداللہ عزام، شیخ فرازی اور شیخ ابو محمد المقدسی شامل ہیں۔ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں میں سے جس سے بھی سراقہ کی ملاقات ہوتی وہ اُنہیں دعوتِ دین کے عظیم مقصد کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے کے بارے میں قائل کرنے کی کوششیں کرتا۔ اکثر اوقات لوگ اُس سے اختلاف کرتے یا اُس کی باتوں کا مذاق اُڑاتے اور کہتے ''تم آخر کیا کر لو گے، دنیا کو بدل لو گے؟ اب تک آخر جہاد کے راستے میں چل کر

کیا تبدیلی آ گئی اور ہمیں کیا حاصل ہوا؟

یونیورسٹی کی تعلیم ختم کرنے کے بعد سراقہ کی شادی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک بیٹے اور بیٹی سے نوازا۔ اُس نے اپنی کمیونٹی میں ایک حلقہ درس بھی قائم کیا جہاں پر وہ نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات اور دعوت دین کے مشن کے متعلق پڑھاتا تھا۔ سراقہ کی بیوی کا بیان ہے کہ وہ تہجد کے وقت بیدار ہو کر سورۃ التوبہ کی آیات تلاوت کیا کرتا تھا اور اُن آیات پر تدبر کیا کرتا تھا جس سے اُس کے عزم میں مزید پختگی آتی چلی گئی۔ اُسے اپنے بچوں سے محبت تھی لیکن جب بھی وہ اُن سے کھیلتا تھا تو وہ یہ آیات پڑھا کرتا تھا: اَلْمَالُ وَالْبَنُونَ فِتْنَةٌ (تمہارے مال اور تمہارے بچے تمہارے لیے آزمائش ہیں)۔ سراقہ اپنے والدین کی خبر گیری میں کوئی کوتاہی نہیں کیا کرتا تھا اور ان کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتا تھا۔

اپنی شہادت سے ایک سال پہلے سراقہ نے حج ادا کیا اور حج کے سفر نے اُس پر گہرے نقوش چھوڑے۔ سراقہ کہا کرتا تھا کہ اگر کسی کو آج امت مسلمہ کی حالت پر تعجب ہوتا ہے تو اُسے اس کا جواب حج کے موقعہ پر مل جائے گا۔ حج کے موقعہ پر سراقہ نے مسلمانوں کی جہالت کا مشاہدہ کیا۔ ایسے لوگوں کا مشاہدہ کیا جن کی زبانوں پر غیبت، جھوٹ اور دنیاوی گفتگو تھی۔ اور اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے رحم کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ اُس نے حج کے موقع پر مسلمانوں میں بدعات اور شرک دیکھا۔ اُس نے حرم مکہ سے باہر بعض سود سے چلنے والے بنکوں کو دیکھا حالانکہ اِس سرزمین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے شرک اور اللہ کی نافرمانی سے پاک کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر سراقہ کا خون کھول جاتا تھا۔ مسلمانوں کے اخلاقی تنزل اور انحطاط کو دیکھ کر سراقہ کے ارادوں میں مزید پختگی آ گئی۔

سراقہ شہید کے ایک دوست اور ساتھی کی یادداشتیں

افغانستان کی طرف سفر

میری سراقہ سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب ہم افغانستان کی طرف سفر کے لیے نکلے۔ سراقہ میانہ قد، دبلا پتلا، سفید رنگت والا نوجوان تھا جس کی چمکتی آنکھوں سے اخلاص پھوٹ رہا تھا اور چہرے پر نور جھلک رہا تھا۔ سارے سفر کے دوران سراقہ نے انتہائی صبر اور ضبط کا مظاہرہ کیا۔ تمام راستے اُس نے کچھ نہیں کھایا کیونکہ وہ بیمار ہو کر دوسرے ساتھیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ طویل سفر کے بعد ہم بالآخر افغانستان کا بارڈر پار کر کے وہاں داخل ہو گئے تو میں نے سراقہ کے چہرے پر طمانیت کے آثار دیکھے۔

جدوجہد کی ابتدائی منازل

اس سے پہلے کہ سراقہ میدان میں جا کر ٹریننگ حاصل کرتا، ہم نے کچھ ابتدائی کام کرنا تھا۔ مذہبی کتابوں سے ریسرچ اور اُن کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا بہت سا کام کرنے کا ابھی باقی تھا اور اللہ تعالیٰ نے سراقہ کو ایسی بہت سی صلاحیتوں سے نوازا تھا جو ہمارے لیے ضروری تھیں۔ اس زمانے میں مجھے سراقہ کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ دراصل ہمارے ساتھ موجود تمام نوجوان اپنی اپنی فائنل منازل کی طرف سفر کے لیے نکل گئے اور ہم دونوں اس قصبے میں اکیلے رہ گئے۔ یہ صبر کا دور ہم دونوں کے لئے مشکل تھا کیونکہ ہم دونوں ہی عمل کے میدان میں جانا چاہتے تھے لیکن یہاں بیٹھ کر ہمیں علمی کام کرنا تھا۔ بہر حال ہم دونوں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ہم دونوں اپنے گھر والوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ جب ہم جہاد کے سفر کے لئے نکل رہے ہوں تو آنسو بہاتی ہوئی ماں کو چھوڑ کر جانا کتنا مشکل

ہوتا ہے کہ ہمیں پتہ نہیں ہوتا کہ اس دنیا میں ہماری دوبارہ ملاقات ہو گی یا نہیں؟ سراقہ یہ سن کر خاموش رہا اور پھر بولا: ''نہیں میرے بھائی، دراصل بیوی اور خاوند کے درمیان جو تعلق (Bond) ہوتا ہے وہ اس سے مختلف قسم کا اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے بہ نسبت اُس تعلق کے جو ماں اور بیٹے میں ہوتا ہے۔'' سراقہ کے دوست نے بتایا کہ یہ باتیں کرتے ہوئے سراقہ کے چہرے سے اُداسی جھلک رہی تھی کیونکہ سراقہ اپنے پیچھے اپنی جوان بیوی اور دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر آیا تھا لیکن سراقہ کے چہرے سے پتہ چل رہا تھا کہ اُس نے یہ قربانی دینِ اسلام کو عزت دینے کے لیے دی ہے۔

سراقہ نے مجھے بتایا کہ پچھلے سال اُس نے نوکری کرنے میں شدید محنت کی تا کہ اُس کی غیر موجودگی میں اس کی فیملی کے پاس گزارہ کرنے کے لیے پیسے ہوں۔ اس نے مجھے بتایا کہ مغربی ممالک میں رہنا اس کو بہت ناپسند تھا اور اب افغانستان کی اسلامی مملکت میں پہنچ کر وہ بہت خوش تھا۔ میں ہر وقت دیکھتا کہ وہ قرآن کی تلاوت میں اور حفظ میں مشغول ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ہم مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو سراقہ نے مجھ سے کہا: ''خدا کی قسم! مغربی ممالک میں رہتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کی نافرمانی کی حالت میں ہے۔ ہمارے صبح کے وقت بیدار ہونے سے رات کو بستر پر جانے تک۔ وہاں پر پیسہ کمانے کی ایسی دوڑ تھی کہ میرے پاس نماز پڑھنے، اللہ کی کتاب پڑھنے اور دین اسلام کو سیکھنے کا ٹائم ہی نہیں ہوتا تھا۔ اب یہاں پر اللہ کی عبادت کے لیے میرے پاس بہت وقت ہے۔''

سراقہ مجھے بتایا کرتا تھا کہ اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ افغانستان میں جا کر کسی عالم دین سے صحیح طور پر دینی علم سیکھے اور اسلام کا ایک سنجیدہ طالب علم بنے۔ سراقہ نے بتایا کہ وہ سرزمین خراسان میں اپنی فیملی کے ساتھ نقل مکانی کر کے آنا چاہتا تھا کیونکہ اُسے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی کہ افغانستان میں اسلامی نظام مکمل طور پر نافذ ہوا تھا (طالبان کے دور میں)۔ میں حیران

ہوا کہ سراقہ کس طرح بہت جلد اس جگہ اور یہاں کے لوگوں سے مانوس ہوگیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سراقہ کی دعوت وتبلیغ کی کاوشوں کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اِس جگہ کو سراقہ کے لیے آخری منزل کے طور پر چن لیا تھا اور اللہ تعالیٰ اِس قیمتی روح کو اپنے راستے میں شہادت کا اعزاز بخشنا چاہتا تھا۔

ایک شہید کی صفات

میں یہ دیکھا کرتا تھا کہ سراقہ کبھی ہمت نہ ہارتا تھا۔ جو کام مجھ سے نہ مکمل ہو سکتے تھے اُنھیں وہ مکمل کر دیتا تھا۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ آدھی رات کو بیدار رہو کر عزام پبلشرز کی کتابوں کو انگریزی میں ترجمہ کر رہا ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ اُنھیں ٹائپ بھی کر رہا ہوتا تھا۔ یہ سراقہ کی اَنتھک محنت کا نتیجہ تھا کہ اُن کتابوں کے ترجمے کا کام بروقت مکمل ہوگیا اور یہ کتابیں اب آنے والی نسلوں کو جذبہ عطا کریں گی۔

ایک افغانی شخص ہم دونوں کو کھانا پہنچانے کے لیے آیا کرتا تھا۔ اپنی شدید غربت کی وجہ سے وہ شخص کئی گھنٹے پیدل چل کر ہماری رہائش پر آتا تھا۔ ایک دن سراقہ نے مجھ سے کہا کہ ہمیں اس شخص کو سائیکل خرید کر دینی چاہیے تاکہ یہ شخص اپنے کاموں میں خود کفیل ہو سکے اور اپنے گھر والوں کے لیے روزی کا بندوبست آسانی سے کر سکے۔ یہ سراقہ کی خوبی تھی کہ اُس کا دل خدمتِ خلق کے جذبے سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے لیے اس سائیکل کو خریدنے کے بعد اپنی رہائش تک لانا کتنا مشکل تجربہ تھا۔ پھر جب میں اور سراقہ دونوں مل کر اُس سائیکل پر بیٹھے تو اُس کا ایک پہیہ پنکچر ہوگیا جس پر ہم دونوں خوب ہنسے۔ بالآخر ہم اُس سائیکل سے اتنے تنگ آگئے کہ ہم نے ٹیکسی میں پھنسا کر اس سائیکل کو اس شخص کے گھر بھجوا دیا۔

کئی غیر ملکی مجاہدین سے ملاقات کے بعد سراقہ نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ بھی اپنے بیوی بچوں کو سرزمین خراسان میں لے آئے گا اور ایک مجاہد کی زندگی گزارے گا۔ مجھے یاد ہے کہ کئی مرتبہ سراقہ اِس بات پر افسوس کیا کرتا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو کیوں ساتھ نہیں لایا۔ چنانچہ فارغ وقت میں سراقہ اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو اس بارے میں خطوط لکھا کرتا تھا۔

ہمارے جدائی کے لمحات

اب ہم نے ایک دوسرے شہر میں جانا تھا جہاں ہماری ملاقات بہت سے لوگوں سے ہوئی تھی چنانچہ سراقہ بہت خوش تھا کہ اب وہ جدوجہد کی زندگی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سفر بہت کٹھن تھا جس میں ہمارا ایک ہم سفر بہت بیمار ہوگیا۔ سراقہ نے بنیادی فرسٹ ایڈ (طبی امداد) اور میڈیسن کے متعلق ٹریننگ حاصل کی ہوئی تھی۔ چنانچہ اُس نے نہایت صبر سے ہمارے بیمار دوست کے لیے بنیادی ادویات تیار کیں اور اُس کی تیمارداری کی۔

اگلے چند ہفتوں بعد جب ہم ایک دوسرے شہر میں پہنچے تو سراقہ نے تہجد کی نمازیں مزید طویل کردیں۔ ایک مرتبہ پیاس کی وجہ سے آدھی رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے سراقہ کو تہجد کی نماز میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہوئے پایا۔ سراقہ نے سخت گرمیوں کے دنوں میں نفلی روزے بھی رکھنے شروع کردیئے تھے۔ ایک مرتبہ ہم نے سفر پر جانا تھا تو میں نے سراقہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ مت تھکائے اور سفر میں روزہ نہ رکھے۔ سراقہ نے میری بات سن کر میری طرف دیکھا اور بولا:

> ”اس طرح کے اضافی نفلی اعمال کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ ہمارے درجات بلند کرتا ہے اور ہمیں فتح عطا فرماتا ہے، جس طرح اُس نے صحابہ کرام کو فتح عطا فرمائی۔ میں روزہ رکھنے سے رک نہیں سکتا۔“

سراقہ نے مجھے جو بات کہی میں نے اُس کے بارے میں کافی غور و فکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ سراقہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ اُس کے ایسی ہی اعمال کی وجہ سے شاید وہ اللہ کے قریب ہو گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف سب سے بہترین مسلمانوں کو ہی شہادت عطا فرماتا ہے۔

الوداع کہنے کا وقت

اب ہم دونوں کی جدائی کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سراقہ نے مجھے نصیحت کی کہ میں مستقبل قریب میں اللہ کے دین کی سربلندی اور فتح کے لیے اِس مقدس سرزمین میں واپس آؤں۔ ایک روز ہم دونوں بازار گئے کیونکہ سراقہ نے اپنی بیوی اور اپنے بچوں کے لیے کوئی تحفہ لے کر میرے ہاتھ بھجوانا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ سراقہ نے مذاق کے انداز میں مجھ سے کہا تھا کہ وہ یہاں کے بازار سے پرانے کپڑے خرید کر اپنی بیوی کو نہیں بھیجنا چاہتا اور یہاں پر کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی بیوی کی پسند کے مطابق ہو۔ وہ اُس دن بہت خوش لگ رہا تھا، ہم ایک دکان پر رُکے تو اُس نے اپنے بچوں کے لیے بہترین کوالٹی اور رنگ کے کپڑے منتخب کیے اور مجھے دے کر کہا:

> ''میں چاہتا ہوں کہ تم یہ کپڑے میرے بچوں تک پہنچا دو تاکہ میری بیوی اور میرے بچے یہ جان لیں کہ میں نے اُنھیں بھلایا نہیں۔''

بالآخر سراقہ کو لینے کے لیے سواری آ گئی اور میں اُس سے گلے لگ کر ملا اور ہم دونوں دوستوں نے خاموشی اور مسکراہٹ کی ساتھ ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ مجھے یہ کل کی بات لگتی ہے۔ پھر جب بعد میں مجھے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سراقہ کو شہادت عطا فرما دی ہے تو اُس کے بعد کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ میں اپنے دوست کے متعلق نہ سوچتا ہوؤں۔

سراقہ ہماری اُمت مسلمہ کے اُن فرزندوں میں سے تھا جنھوں نے مادہ پرستانہ دنیا کی

چکاچوند کو چھوڑ کر عزت اور جہاد کا راستہ اختیار کیا۔ اے میرے پیارے دوست! تمہیں یہ اُمت ایک ایسے صابر مجاہد کے طور پر یاد رکھے گی کہ جو دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے زندہ رہا اور اُسی کے لیے جان پیش کر دی۔ اللہ تمہاری زندگی کی کہانی اور قربانی کو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنائے اور تمہیں تمہارے گھر والوں اور پیاروں اور دوستوں کے ساتھ جنت کے اعلیٰ ترین مقامات میں جمع فرمادے۔ آمین

تورابورا کی جنگ

7 اکتوبر 2001ء میں افغانستان کے عوام اور اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔ جب طالبان نے شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف پسپا ہونے کا فیصلہ کیا تو سراقہ اُن لوگوں میں سے تھا جو مشرقی افغانستان کے تورابورا کی پہاڑوں کی طرف چلے گئے تھے تاکہ وہاں سے صلیبی افواج کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ جب نومبر 2001ء میں امریکی افواج نے تورابورا کے پہاڑوں پر واقع مجاہدین کی پوزیشنوں پر حملے شروع کیے تو وہاں پر شدت کے معرکے برپا ہوئے۔

تورابورا کے پہاڑی سلسلے چھوٹے پہاڑوں اور بلند قامت پہاڑوں پر مشتمل ہیں۔ چونکہ صلیبی افواج نے کم بلندی والے پہاڑوں پر اُتر کر لڑنا تھا، اس لیے افغان مجاہدین کے کمانڈر نے حکم جاری کیا کہ نئے اور کم تجربہ کار مجاہدین کو اُونچے پہاڑوں پر چلے جانا چاہیے جبکہ تجربہ کار مجاہدین کو مقابلے کے لیے نیچے رہنا چاہیے۔ سراقہ نے اپنے گروپ کے کمانڈر سے درخواست کی کہ اُسے نچلے پہاڑوں پر رہنے دیا جائے تاکہ جب امریکی فوجی آئیں تو وہ اُن کا مقابلہ کر سکے لیکن اُس کے امیر نے اُس کی درخواست قبول نہ کی اور سراقہ کو اُونچے پہاڑوں کی طرف جانا پڑا۔

نومبر 2001ء میں پورے رمضان المبارک (1422 ہجری) میں جنگ اپنے عروج

پر رہی اور امریکی افواج نے پہاڑوں پر اندھا دھند بمباری کرتے ہوئے نہ دن کی پرواہ کی اور نہ رات کی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آسمان آگ برسا رہا ہے اور زمین آتش فشاں اُگل رہی ہے۔

سراقہ اپنے ساتھ ایک فوری طبی امداد کا بیگ (First Aid Kit) لایا ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر تو نہیں تھا لیکن جنگ میں سراقہ نے وہ طبی خدمات انجام دیں کہ جو اُمت مسلمہ کے بڑے بڑے ڈاکٹر بھی نہیں کر سکے۔ جونہی اُسے ریڈیو پر اطلاع ملتی کہ فلاں جگہ پر کوئی مجاہد زخمی ہے تو سراقہ اپنی فرسٹ ایڈ کٹ لے کر گولیوں اور فضائی بموں کی بوچھاڑ سے بچتا ہوا پہنچتا۔ جیسے ہی سراقہ اُس بھائی کے زخم کی مرہم پٹی کر کے فارغ ہوا ہوتا تو اُسے ریڈیو پر خبر ملتی کہ 2000 فٹ نچلی پہاڑی پر ایک اور مجاہد بھائی زخمی ہوا ہے تو سراقہ فوراً اُس جگہ پہنچ جاتا۔ چنانچہ اِس جنگ میں لڑنے کے علاوہ سراقہ نے تو رابورا کے پہاڑوں پر کبھی اُوپر اور کبھی نیچے جا کر زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔

ایک مجاہد کی دعا

رمضان المبارک کے مبارک مہینے میں افغانستان میں مجاہدین کی صلیبی افواج سے جنگ جاری تھی اور اب رمضان کا آخری عشرہ (آخری دن) آچکا تھا۔ رمضان کی آخری راتوں میں سے ایک رات کو ایک ساتھی مجاہد نے دیکھا کہ سراقہ پہاڑ پر اکیلا کھڑا ہوا ہے۔ سراقہ اپنے فوجیوں والے کیموفلیج کپڑوں میں ملبوس تھا اور اُس کے ہاتھوں میں AK-47 رائفل پکڑی ہوئی تھی۔ شدید سردی اور برفانی ہواؤں کے باوجود سخت مشقت کی وجہ سے سراقہ پسینے میں شرابور تھا۔ اچانک سراقہ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے فضا میں بلند کیے اور بلند آواز میں پکارتے ہوئے یہ دعا مانگی: ''اے اللہ، اے میرے رب، میں اِن پہاڑوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا یہاں تک کہ تو مجھے شہادت عطا کر دے۔ آمین''

لیلۃ القدر کو سراقہ کی شہادت

یہ 29 رمضان المبارک 1422ء کو جمعہ کی رات تھی (شب جمعہ) اور وہاں پر بہت سے مجاہدین نے بعد میں اِس بات کی گواہی دی تھی کہ اُس سال شب قدر 29 ویں رمضان المبارک کی رات کو واقع ہوئی تھی۔ رات کے تقریباً 9 بجے رہے تھے اور سراقہ 20 مجاہدین کے ایک گروپ کے ساتھ تورابورا کے پہاڑوں پر ایک پوزیشن سے دوسری پوزیشن کی طرف حرکت کر رہا تھا۔ مجاہدین کو اچانک دیوہیکل امریکی جنگی جہاز B-52 کی آواز اپنے سروں پر محسوس ہوئی جس کے بعد بہت سے بموں کے گرنے کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں، ایسے بم جو کہ ظلم اور بربریت کی دھاتوں کے ٹکڑوں اور آگ سے بنے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ایک کلسٹر بم بہت سے چھوٹے چھوٹے بموں میں پھٹا تو آتش بازی جیسی آوازیں بلند ہوئیں۔ اُنہی چھوٹے بموں میں سے ایک بم پر سراقہ کا نام لکھا ہوا تھا اور اِس طرح اُس عظیم ہیرو نے اپنی روح اپنے رب ذوالجلال کے سامنے پیش کر دی اور اپنے خون سے اُس بہادری، عظمت اور جہاد کی سرزمین افغانستان کو سیراب کر دیا۔ سراقہ کے جسم کو کئی ہفتوں کے بعد وہاں کے مقامی لوگوں نے دریافت کیا اور تورابورا کے قریب افغانی گاؤں مرخانائی میں دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ سراقہ کو شہداء کے قافلے میں قبول فرمائے۔ آمین۔

سراقہ کی شہادت کے بعد اُس کے گھر والوں کے خواب

سراقہ کی شہادت کے بعد اُس کے گھر والوں اور دوستوں نے کئی خوابوں میں سراقہ کو دیکھا۔ سراقہ کی بیوی نے خواب میں دُور ایک جزیرے میں ایک پرندے کو دیکھا۔ پرندے کے پَر بری طرح سے جل چکے تھے اور وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اچانک کچھ فاصلے سے ایک دوسرا پرندہ اُس پہلے پرندے کی طرف اُڑ کر آیا اور اُس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اب پہلے والے پرندہ نے جس کے پَر جل چکے تھے، اپنے پرانے پروں کوجھاڑ دیا وراُس کے اتنے خوبصورت رنگ کے پَر نکل آئے کہ سراقہ کی بیوی نے اتنے خوبصورت رنگ کے پَروں والا پرندہ(bird with most beautiful colour feathers) کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر دونوں پرندے فضا میں بلند ہوئے اور اُڑ گئے۔

سراقہ کی شہادت کے بعد اُس کے بھائی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی کے پاس جا کر بڑی پریشانی میں پوچھتا ہے: ''میرا بھائی (سراقہ) کہاں ہے؟'' لوگوں نے دور ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔اُس نے پھر وہی سوال کیا تو لوگوں نے وہی جواب دیا، پھر سراقہ کا بھائی پہاڑ کے جتنا قریب پہنچ سکتا تھا وہاں پہنچ کر اُس نے اپنا سوال دہرایا تو لوگوں نے ایک بڑے خوبصورت سفید پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔

سراقہ کی بہن نے بھی ایک خواب دیکھا جس نے اُس نے دیکھا کہ سراقہ اپنے سب گھر والوں سے ملنے آیا ہے۔اُس کے جسم سے بہت تیز نور پھوٹ رہا تھا اور سراقہ کا قد اتنا بلند تھا کہ اُس کی طرف دیکھنے کے لیے لوگوں کو اپنی گردنیں ٹیڑھی کرتے ہوئے اُوپر دیکھنا پڑ رہا تھا۔

سراقہ کی آخری وصیت

اپنی فیملی کے نام آخری وصیت میں سراقہ نے لکھا کہ اے اللہ تو اِس بات کا گواہ ہے کہ میں اپنے بیوی بچوں اور ماں باپ سے محبت کرتا ہوں لیکن اسلام نے اِس محبت پر حدیں باندھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا
أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ

اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِىْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ o (سورہ التوبہ:24)

’’کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔‘‘

چنانچہ اِس آیت سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ہم اللہ، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کے مقابلے میں اپنی فیملی اور دنیا کی دولت کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ اگر ہماری اللہ کے راستے میں جہاد سے بھاگنے کی وجہ ہمارے گھر والوں کی محبت ہے تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متنبہ کر دیا ہے:

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُo **يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيْهِ** o **وَأُمِّهٖ وَأَبِيْهِ**o**وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ**o**لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ**o (سورہ عبس:24)

’’آخر کار جب وہ کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہوگی۔ اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص پر اُس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اُسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔‘‘

’’شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن‘‘

مسلمان علماء اِس بات پر متفق ہیں کہ جب چار صورتیں پیش آ جائیں تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے ورنہ فرض کفایہ۔ وہ چار مواقع جن میں جہاد فرض عین (لازمی) ہو جاتا ہے، درج ذیل ہیں:

(1) کافر افواج، مسلمانوں کی زمین پر حملہ آور ہو جائیں، اُس صورت میں ابتداً اُس علاقے کے لوگوں پر، اگر وہ کافی نہ ہو تو اُن کے قریب والوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔

(2) مسلمانوں کا شرعی امیر خلیفۃ المسلمین تمام مسلمانوں کو جہاد کے لئے نکلنے کا حکم کر دے۔

(3) جب کافروں اور مسلمانوں کی فوجیں آمنے سامنے آ جائیں تو لشکر میں موجود ہر شخص پر لڑنا فرض عین ہے۔

(4) مسلمانوں میں کچھ لوگ کفار کی قید میں آ جائیں اور کافر اُنہیں فدیہ لیکر رہا کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو تمام مسلمانوں پر اُن کی رہائی کیلئے لڑنا فرض ہے۔

کیا ہمارے زمانے میں یہ صورتیں پیش آ چکی ہیں یا نہیں؟ کیا کسی مسلم ملک پر صلیبی افواج نے مل کر حملہ تو نہیں کر دیا؟ کیا عافیہ صدیقی، بابر احمد اور دیگر سیکڑوں مسلمان آج کفار کی جیلوں میں سسک سسک کر اپنی زندگیاں تو نہیں گزار رہے جنھیں کفار کسی صورت رہا کرنے پر آمادہ نہیں؟

اب وقت آ گیا ہے کہ ہر مسلمان کو شتر مُرغ کی طرح ریت میں اپنا سر ڈالنے کی بجائے اپنے دل سے یہ سوالات کرنے چاہئیں۔

لیکن ہائے افسوس کہ آج کے آرام طلب اور میڈیا کے چینل کلِک کرنے والے مسلمانوں کے پاس اِن سوالات کے جوابات کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہیں۔ ایسے سہل پسند مسلمانوں کے تحریک جہاد سے کٹ جانے سے مجاہدین کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ:

- جہاد، اللہ رب العزت کا وہ عظیم حکم ہے جس پر قرآن کریم کی 558 آیاتِ جہاد گواہی دے رہی ہیں، جس حکم کا ذکر سینکڑوں بار قرآن پاک میں ہو چکا ہے،
- جس فریضہ پر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں ابواب شہادتیں دے رہے ہیں،
- جس حکم کو پورا کرنے کیلئے خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم 27 مرتبہ میدانوں میں قتال کرنے کے لئے نکلے،
- آپ کے رخسارِ مبارک کا مقدس لہو جس حکم کو پورا کرتے ہوئے میدان میں گرا،
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک جس حکم کی تکمیل کی خاطر شہید ہوئے،
- جس فریضہ کو ادا کرتے ہوئے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے صحابہ کرام ؓ کے کٹے پھٹے جسم میدانوں سے اُٹھائے،
- اپنے بچپن کے دوست اور پیارے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ ؓ بن عبد المطلب کے جسم کے ٹکڑے میدانِ اُحد میں اپنے ہاتھوں سے جمع کئے،
- سیدنا مصعب بن عمیر ؓ کا مقدس لاشہ اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھایا،
- جس راستے کو اختیار کرتے ہوئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے 70،70 پیارے ساتھیوں کے جنازے اٹھائے اور دفنائے،

اُس راہ پر چلتے چلتے اگر کوئی ساتھ چھوڑ جائے تو وقتی تکلیف اور دُکھ تو ضرور پہنچتا ہے لیکن نقصان میں وہی رہتا ہے کہ جو شیطانی وسوسے اپنے دل میں پال کر اور جہاد کی راہ چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتا ہے۔ مولانا ابو امامہ کے الفاظ میں: ''قرآن باقی ہے اور قرآن باقی رہے گا، اِس لئے جہاد کے بقاء کو کوئی خطرہ نہیں۔ قرآن کا محافظ اللہ ہے اِس لئے قرآن نہیں مٹ سکتا۔ جہاد کا محافظ قرآن ہے اِس لئے جہاد بھی نہیں مٹ سکتا۔ اور پھر قرآن صرف جہاد کا محافظ ہی نہیں بلکہ ''معلم'' بھی ہے، جہاد میں جس طرح کی تربیت، جس نوع کی جنگی مہارت اور جس طرز کی جسمانی، ذہنی اور نظریاتی پختگی کی ضرورت ہے قرآن یہ سب کچھ مجاہد کو خود سکھا دیتا ہے۔ کون کون سے مواقع ایسے ہیں جو جہاد سے روکنے کا باعث بن سکتے ہیں قرآن اُن کی نشاندہی کرتا ہے۔ جہاد پر ابھارنے کا فریضہ بھی قرآن احسن انداز میں سرانجام دیتا ہے اور اُس سے رُکنے والوں کی خوب خبر بھی لیتا ہے۔ غرضیکہ جہادی تربیت کا ایک پورا جامع نصاب قرآن میں موجود ہے۔'' (بحوالہ: معلم جہاد صلی اللہ علیہ وسلم، از مولانا ابو امامہ، ہفت روزہ ''القلم'')

اِس کتاب کے اختتام پر اُمت مسلمہ کے جہاد سے کنارہ کشی کرنے والوں اور شکست خوردہ ذہنوں کے مسلمانوں کو کہنے کے لیے ہمارے پاس علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ علیہ کے مسلمانوں کو دیے گئے اُس خطاب سے بہتر اور کچھ نہیں کہ جب دوسری صلیبی جنگ نے مسلمانوں کی سرزمین کو روندا اور صلیبی، مسلمان ملکوں کے اطراف میں آ گئے، تو آپ (ابن الجوزیؒ) نے لوگوں کو ایسا بلیغ خطاب دیا کہ جس کی آج ہمیں شدید ضرورت ہے اور ہم اپنے اِن حالات کے مطابق اُس خطبے کو یہاں نقل کر رہے ہیں۔

مسلمان ملکوں پر صلیبی حملے کے دنوں میں ابن الجوزی رحمہ اللہ علیہ نے لوگوں سے دمشق کی جامع مسجد میں خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا:

''(اے لوگو......! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم اپنے دین کو بھول گئے ہو اور تم نے اپنی

عزت کو چھوڑ دیا اور تم اللہ (کے دین) کی نصرت سے بیٹھ گئے، تو اُس (اللہ) نے بھی تمہاری مدد نہیں کی۔ تم نے گمان کرلیا کہ عزت مشرکوں کے لیے ہے، اللہ نے تو عزت صرف اللہ، اُس کے رسولؐ اور مومنوں کے لیے رکھی ہے۔ برا ہو تمہارا۔ کیا اِس منظر سے تمہیں تکلیف نہیں ہوتی اور تم غمگین نہیں ہوتے کہ اللہ کا دشمن اور تمہارا دشمن، تمہاری اِن سرزمینوں کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے کہ جسے تمہارے آباء واجداد نے اپنے خون پلائے ہیں۔ یہ دشمن تمہیں ذلیل کرے گا اور تمہیں غلام بنائے گا، تمہیں جو اِس سے پہلے دنیا کی سیادت کرتے تھے۔

کیا اِس منظر سے تمہارے دل نہیں پھڑکتے اور تمہارے جذبات نہیں بھڑکتے کہ دشمن نے تمہارے بھائیوں کو گھیر رکھا ہے اور وہ اُنہیں طرح طرح سے ذلیل و رسوا کر رہا ہے؟

کیا تم کھاتے پیتے ہو اور زندگی کی نعمتوں سے لذتیں اٹھاتے ہو جبکہ تمہارے بھائی وہاں شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں اور آگ میں گھس جاتے ہیں اور کوئلوں پر سوتے ہیں؟

اے لوگو...... یقیناً جنگ بھڑک اُٹھی ہے اور جہاد کی منادی ہو چکی اور آسمان کے دروازے کھل گئے تو اگر تم مرد حضرات جنگ کے شہ سوار نہیں بنتے، تو عورتوں کے لیے یہ راستہ چھوڑ دو کہ وہ یہ جنگ لڑیں۔ اور تم مرد حضرات جاؤ اور خوشبوئیں اور سرمے لگاؤ، اے پگڑیوں اور داڑھیوں والی عورتو۔۔!

لہٰذا، لپکو گھوڑوں کی طرف، یہ رہیں اُنکی لگامیں اور اُنکی رسیاں۔
اے لوگو...... کیا جانتے ہو کہ یہ لگامیں اور رسیاں کس چیز سے بنائی گئیں ہیں؟ اِنہیں عورتوں نے اپنے سر کے بالوں سے بنایا ہے کیونکہ اُن کے پاس اِس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

اللہ کی قسم ...... یہ تو پردہ دار عورتوں کے بالوں کی چوٹیاں ہیں کہ جن کی حفاظت اور پاک دامنی کا یہ عالم تھا کہ جنہیں سورج کی آنکھ نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔
اُن (عورتوں) نے اِنہیں کاٹ ڈالا ہے کیونکہ محبت و عشق کی تاریخ ختم ہوچکی۔

اور اب مقدس جنگ کی تاریخ شروع ہوچکی ہے اللہ کی راہ میں جنگ۔
تو، اگر تم اِن کے ساتھ گھوڑوں کو باندھ نہیں سکتے، تو پھر انہیں لے لو اور اپنی زلفیں اور بالوں کی چوٹیاں بنا لو کیونکہ یہ عورتوں کے بالوں سے ہیں۔ کیا تم میں کوئی شعور نہیں؟''

یہ کہتے ہوئے علامہ ابن الجوزیؒ نے منبر کے اوپر سے لگا میں، مسجد میں موجود لوگوں کے سروں پر پھینکیں اور چیخے:

''اے مسجد کے ستونو...... جھک جاؤ، اور اے شہابو...... برسو، اور اے دلو...... غیض وغضب سے تڑپ اٹھو...... اِس لیے کہ مسلمان مردوں نے اپنی مردانگی کو کھو دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ علامہ ابن الجوزی پر رحم کرے۔ اگر آپ کا یہ خطاب اُن لوگوں کے لئے ہے کہ جن کی حکمرانی اُندلس اور بلاد الشہداء جیسے معرکوں تک جا پہنچی تھی۔ تو پھر آج ہمارے لئے وہ کیا کہیں گے، اور اگر آج آپ ہماری یہ حالت دیکھ لیں، تو ہمیں کن اوصاف سے مخاطب کریں گے؟

''حقیقت یہ ہے کہ اگر آج کوئی طالب علم سائنس، طب یا تاریخ وغیرہ کے مضامین پڑھنے کے لئے یورپ یا امریکہ جانا چاہے اور اپنے شیخ اور مربی سے اجازت لئے بغیر ہی نکل پڑے، تو نہ ہی وہ کوئی اعتراض کریں گے نہ کوئی اور شخص۔ حالانکہ اُن کافر ممالک میں فتنے منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ ایمان دشمن ظلمتیں ہر سمت چھائی ہوئی ہیں، خواہشاتِ نفسانی کی بے قابو موجیں ہر آنے والے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں اور بے حیائی کی ہیجان انگیز فضا کچھ اِس انداز میں حیوانی جذبات بھڑکاتی ہے کہ دلوں میں حب الٰہی کی آگ کی بجائے حب الشہوات کی نارِ نمرود جل اٹھتی ہے۔ اِس کے برعکس اگر یہی طالب علم رباط کے لئے گھر سے نکلے یا جہاد میں شرکت کے لئے محاذ کا رخ کرے تو سب اُس پر برس پڑتے ہیں اور ہر زبان پر یہی سوال ہوتا ہے کہ ''تم بغیر اجازت کیسے جاسکتے ہو؟'' شاید اُس کے شیخ نے اُس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر توجہ دینے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی: ''اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا، دنیا اور اُس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے۔(صحیح بخاری: کتاب الجہاد وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ)''

(شیخ عبداللہ عزام شہید)

اِک ستارہ میں تھا .... کہکشاں ہوگیا

(انجینئر احسن عزیز شہید کی کتاب "تمھارا مجھ سے وعدہ تھا" سے ایک نظم)

اِک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہوگیا
جب یزداں کا اِک استعارہ تھا میں
داستاں ہوگیا
میرا نامہ اعمال سمجھو ذرا ...... روشنی ہی تو ہے
میرا لاشہ پامال دیکھو ذرا ...... زندگی ہی تو ہے
ہاں یہی زندگی ہے میرے دوستو!
میں نے سوچا تھا یہ
گر نہ دینِ مبین پر یہ ہوتی فدا
اور کس کام آتی تھی یہ زندگی؟
اور پھر یہ ہوا
قیدِ دنیا سے جب میں نکلنے لگا
بندگی کا سفر جب میں طے کرچکا
میں نے دھیرے سے یہ ساتھیوں سے کہا
"میں شہید اب ہوا"
پھر گواہی کا کلمہ زباں پر میری
لحظہ واپسیں خود رواں ہوگیا

اک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہو گیا

میرا انداز پاسِ وفا یہ رہا
طاقِ دل پہ سدا
شوقِ جنت کی شمع فروزاں رہی
دل تو دل ہی تھا، زخم اُس نے کھانے ہی تھے
روح لیکن میری پھر بھی شاداں رہی
میرے مالک نے مجھ کو بھری بزم میں
اس طرح سے چُنا
غازیوں کی طویل ایک فہرست میں
فرطِ رحمت سے روشن نشاں کر دیا
نورِ قرآں کو میرا بیاں کر دیا
حبِ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں رطب اللساں کر دیا
پیکرِ خاک تھا
خاک میں جب ملا
رحمتِ حق تعالیٰ سے مسکن میرا آسمان ہو گیا
اِک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہو گیا

دوستو! غازیو!
عشق کی ایک ہی جست میں
میں نے چودہ قرن کی مسافت کو طے اِس طرح سے کیا
دل میں طائف کا منظر بسا جب لیا
خلق میرا نسیمِ سحر ہو گیا

اور بدر و اُحد کا سبق جب پڑھا
عزم قطرہ تھا میرا ......بحر ہو گیا
میں نے اسلاف کی ہر نشانی کے مٹنے کے اِس دور میں
اجنبیت کے پرچم کو اونچا کیا
میں نے حق و صداقت کے روشن دیے
خونِ دل سے بھرے
دل وہ جس میں ہمیشہ سے چاہت رہی
ہر کسی کے لیے
لب وہ جن پر سدا مسکراہٹ رہی
ہر شناسا، ہر ایک اجنبی کے لیے
اِس طرح بھی ہوا
حلقہ دوستاں میں کسی طور بھی
وسعتِ قلب کی جب کمی ہو گئی
دامن دل وہاں اپنا پھیلا دیا
سب کو بتلا دیا
حق کی راہوں میں مرنا تو آسان ہے
جینا مشکل ہے ......جی کر بھی دکھلا دیا
میرے اخلاص کا
ایک اک نقش پا
''صدقہ جاریہ''
عشق راہوں میں یوں جاوداں ہو گیا
اک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہو گیا
جب محبت کی تاریخ لکھی جائے گی

قافلۂ حجازِ مقدس کا جب تذکرہ آئے گا
عاشقانِ حبیب جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ...... وہاں میرا نام آئے گا
پھر سمیٹے جو محنت کے ہوں گے ثمر
میرے کردار کا
اِن جہادی فضاؤں میں گزرا ہوا
میری غربت کا، عسرت کا ایک ایک پل
میرے کام آئے گا!
ساتھیو! زخم سینے پہ کھاتے چلو
رب سے ملنا ہے تو ...... مسکراتے چلو
حُبِ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شمع جلاتے چلو
تم نے سیکھا ہے جو کچھ سکھاتے چلو
یوں تمہارے لیے بھی ہماری طرح
شوق کی راہ کا وہ مقام آئے گا
حوضِ کوثر سے جب اُن کی سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) سے
ہاں بڑے پیار سے
پھر حلاوت بھرا ایک جام آئے گا
خالقِ دو جہاں کا انعام آئے گا

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا آپ معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟

اصلاحِ معاشرہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں تک حق بات پہنچائی جائے۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ (صحیح مسلم)

''جو شخص، کسی نیک کام کی طرف، کسی دوسرے شخص کی راہنمائی کرے گا، اُسے نیک کام کرنے والے کے برابر اجر اور ثواب دیا جائے گا۔''

آیئے اصلاحِ معاشرہ کے کام میں دینِ اسلام کی مدد کریں۔آپ کی دی ہوئی کتابوں کی وجہ سے جس گھر میں جو اچھے اثرات ہوں گے، آپ اُس اجر میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق کی اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر کتابوں کے سیٹ کو خرید کر اپنے رشتہ داروں کو تحفے میں دیں:

1 ......ایک آنکھ والا دجال

2 ......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3 ......انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4 ......معرکۂ روح و بدن

5 ......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب

6 ......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7 ......داڑھی کی اہمیت، قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8 ......ویلنٹائن ڈے۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار

9 ......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10 ......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)========<

عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں 184

11 ...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد۔قرآن،حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟

14 ...... دجالی دور اور مسلم خواتین

15 ...... مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ

16 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں

17 ...... تاریخ کا سبق

تبلیغی مقاصد کے لئے پورا سیٹ یا بڑی تعداد میں کتابیں خریدنے پر خصوصی رعایت۔

تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں ۔مکتبہ خواتین میگزین منصورہ ملتان روڈ۔لاہور

فون نمبر: 042-35435667 / 0321-4708024